### سلسلہ مباحث

# "اسلامی ریاست"

مبحث اول

## کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف

از

(مولٰنا امین احسن صاحب اصلاحی)

(۲)

اسلامی حکومت کے امراء اور عمال میں کیا اوصاف مطلوب ہیں؟

اب ہم ایک مناسب ترتیب کے ساتھ ان اوصاف کو پیش کرینگے جو ایک اسلامی حکومت کے امراء وعمال میں مطلوب ہیں۔ اور جن کے بغیر کوئی شخص اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ اگر سنبھال بیٹھتا ہے۔ تو وہ دنیا میں لوگوں کے لئے وبال بنتا ہے۔ اور آخرت میں وہ عہدہ اس کے لئے وبال ہوگا۔ لیکن ان اوصاف کو بیان کرنے سے پہلے اس سوال پر غور کر لینا ضروری ہے کہ ایک اسلامی حکومت اپنے عمال اور کارکنوں کا اصل فریضہ کیا قرار دیتی ہے؟ اس فریضہ کے متعین ہو جانے کے بعد ان اوصاف کا معلوم کر لینا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں رہ جائیگا جو اس کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ یہ فریضہ خود ہی بتا دیگا کہ وہ کیا اوصاف ہیں جو اس کے شایانِ شان ہیں۔ اور کیا اوصاف ہیں جو اس کے شایانِ شان نہیں ہیں۔

یہ ساری بحث ان لوگوں کو نہایت عجیب معلوم ہوگی، جو حکومت اور اس کی ذمہ داریوں سے متعلق صرف جاہلی تصورات ہی سے آشنا ہیں اور اپنے لئے اسوۂ حسنہ امریکہ اور انگلستان کی حکومتوں اور ان کے ارباب کار ہی کو سمجھتے ہیں۔ نئی درسگاہوں اور سول سروس کے مقابلہ کے مختلف امتحانوں کے ذریعہ سے ان کو حکمرانی اور طرزِ حکمرانی کے بابت جو تصورات دیئے گئے ہیں اور اس کے لئے جو آداب و آئین انکو سکھائے گئے ہیں۔ وہ ہمارے اسلامی تصورات اور اسلامی آداب و آئین سے نہ صرف مختلف ہیں۔ بلکہ بیشتر ان میں تضاد ہے۔ اسلامی نظام میں جو باتیں ایک گورنر کے اولین فرائض میں داخل ہیں۔ موجودہ جاہلی نظاموں کے اندر ان باتوں کا تعلق کسی مسجد

کے تلاسے ہے۔ اسی طرح جو طرزِ زندگی موجودہ نظامِ حکومت میں حکمرانی کے چہرہ کا اصلی غازۂ جمال سمجھا جاتا ہے اسلامی ماحول کے اندر وہ فرعونیت بلکہ عین شیطنت ہے۔ دونوں کے درمیان اس غیر معمولی دوری کی وجہ سے موجودہ زمانے کی مغرب سے مرعوب نسلوں کو اسلامی نظام کا معتقد بنانا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ زندگی کے موجودہ نظریات جبتک یکسر بدل نہ جائیں اور موجودہ اخلاقی اقدار کی جگہ اسلامی اقدار کی عظمت ومحبت دلوں میں رچ بس نہ جائے۔ اس وقت تک اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ کہ لوگ ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کو سمجھ سکیں اور اپنے اندر وہ اوصاف واخلاق پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں جو ایک اسلامی حکومت کے کارکنوں کے اندر مطلوب ہیں لیکن ایک اسلامی حکومت جب بھی قائم ہوگی اس تبدیلی کے بغیر قائم نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے ان دونوں کے درمیان جو دوری ہے اس کو دیکھ کر گھبرانے اور مایوس ہونے کے بجائے اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ ایک جماعت خالص اسلامی تصوراتِ اجتماعی واخلاقی کے رنگ میں رنگی ہوئی پیدا ہو جائے جو پیشِ نظر اسلامی انقلاب کو برپا بھی کر سکے اور اس کے نتیجہ کے طور پر جو ذمہ داریاں عائد ہوں ان کو نباہ بھی سکے۔ اگر اس اندیشہ کی وجہ سے کہ لوگ ان باتوں کو سن کر ناک بھوں چڑھائیں گے اور ان پر ملّائیت کی پھبتی چست کریں گے اس کام کو اٹھا رکھا گیا تو یہ بہت پیچھے جا پڑیگا۔ اگرچہ موجودہ ماحول میں بعض لوگوں کو یہ کام بڑا دشوار دکھائی دیتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر معاملات کی باگ کسی صالح قیادت کے ہاتھ میں آجائے تو معلوم ہوگا کہ ہماری سوسائٹی میں ان سارے فسادات کا منبع صرف مٹھی بھر اشخاص ہیں لیکن چونکہ ان کو قیادت کی جگہ حاصل ہے۔ اس وجہ سے پوری قوم کو انہوں نے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ اس قیادت کے بدلتے ہی پوری قوم صبح وشام میں اس تیزی کے ساتھ بدلے گی کہ آج اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دیر جو کچھ ہوگی وہ صرف ایک صالح جماعت کی تیاری میں ہوگی۔

**اسلامی حکومت کے عمّال کا اصلی فریضہ**

اب آئیے دیکھیئے اسلامی نظام کے اندر خلیفہ سے لیکر اس کے والیوں اور گورنروں تک ہر شخص کو اپنے پیشِ نظر بحیثیت مقصد اور اصلی فریضہ کے کیا چیز رکھنی پڑتی ہے جس کو ترک یا نظر انداز کر دینے کے بعد ریاست کے نقطۂ نظر سے ان کا وجود بے مصرف ہو جایا کرتا ہے۔ اس

سلسلہ میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نامہ پیش کرتے ہیں جو آپ نے عمرو بن حزم کو اس وقت لکھ کر دیا تھا۔ جب آپ نے ان کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ اس نامہ (INSTRUMENT OF INSTRUCTION) سے اندازہ ہوسکے گا کہ جس طرح ایک اسلامی ریاست کا مقصد یہ ہے کہ اس کی رہنمائی میں معاشرہ کا ارتقا رخدا کی رضا کی سمت[1] میں ہو اسی طرح اسلامی حکومت کے خلیفہ اور اس کے کارکنوں کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ اس ارتقار کے لیڈر ہوں اور وہ معاشرہ کو ایک طرف تو ان تمام چھوٹی بڑی خرابیوں سے پاک کریں جو اس ارتقار کی راہ میں مزاحم ہو سکتی ہیں اور دوسری طرف ان تمام چھوٹی بڑی اچھائیوں کی تعلیم دیں جو اس ارتقار میں معین ہو سکیں۔ اپنے اس مقصد کی وجہ سے اسلامی حکومت کے کارکن لوگوں سے صرف حکومت کے مطالبات وصول کرنے اور اس کا اقتدار تسلیم کرانے کے ایجنٹ ہی نہیں ہوتے بلکہ شفیق باپ اور نیک دل معلم کی طرح ان کی غلطیوں، ان کی کمزوریوں اور ان کی جہالتوں کو دور کرنے کے ذمہ دار بھی ہوتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے مذکورہ نامۂ مبارک کے ضروری حصہ کا ترجمہ یہ ہے :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہدایت نامہ ہے"

"اے ایمان والو! اللہ سے جو عہد تم نے باندھے رکھتے ہیں ان کو پورا کرو۔ یہ وہ ہدایات ہیں جو اللہ کے نبی اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمرو بن حزم کو اس وقت دیں جب ان کو یمن پر مقرر کیا۔ ان کو ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی ہدایت کی کیونکہ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں جو نیکوکار ہیں۔ اور اس کو یہ ہدایت کی کہ حق پر قائم رہے۔ جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے اور لوگوں کو بھلائی کی خوشخبری اور اسی کا حکم سنائے اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے۔ اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کرے اور لوگوں کو ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ لگانے سے روکے۔ اور لوگوں کو ان کے حقوق اور ذمہ داریوں سے آگاہ کرے۔ حق کے معاملہ میں لوگوں کے لئے نہایت نرم ہو۔ اور اگر وہ کسی ظلم کا ارتکاب کریں تو ان پر سختی کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو ناپسند کیا ہے۔ اور اس سے روکا ہے چنانچہ اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ "الا لعنة الله على الظلمين" ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے

---

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث اس سلسلہ کے کسی دوسرے مضمون میں ملے گی۔

اور لوگوں کو جنت اور جنت میں لیجانے والے اعمال کی بشارت دے اور دوزخ اور دوزخ میں لیجانے والے اعمال سے ڈرائے اور لوگوں کی دلداری کرے۔ یہاں تک کہ لوگ دین کا فہم پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں، اور لوگوں کو حج کے آداب، اس کے طریقے اور اس فرض کی اہمیت سے آگاہ کرے۔ حج اکبر تو حج اکبر ہی ہے حج اصغر سے مراد عمرہ ہے اور لوگوں کو صرف ایک چھوٹے کپڑے میں نماز پڑھنے سے روکے، کپڑا کم از کم اتنا ہونا چاہیئے کہ اس کے دونوں گوشے موڑ کر وہ اپنے کندھوں پر ڈال لے سکیں۔ اور لوگوں کو اس بات سے روکے کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نہ بیٹھے کہ اس کی ستر کھل جائے۔ اور اس بات سے بھی روکے کہ لوگ اپنے بال سر کے پیچھے جوڑے کی صورت میں نہ باندھیں۔ اگر لوگوں میں کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو تو اس بات کی نگرانی کرے کہ لوگ قومی اور قبائلی عصبیت کے نعرے بلند کرنے پائیں بلکہ ان کی پکار صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے نام پر ہو۔ اگر کوئی گروہ اللہ کے نعرہ کے بجائے اپنے قومی اور قبائلی نعرہ ہی پر اصرار کرے تو ان کی تلوار سے خبر لی جائے۔ یہاں تک کہ وہ قومی اور قبائلی عصبیت سے دستبردار ہو کر اللہ وحدہٗ لاشریک کا نعرہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ اور لوگوں کو ٹھیک طریقہ سے وضو کرنے کا حکم دے کہ لوگ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئیں اور اپنے سروں کا مسح کریں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور نمازوں میں اوقات کی پابندی اور رکوع اور سجدہ کے اتمام اور خشوع کا حکم دے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی جائے، اور ظہر کی دوپہر میں، زوال کے بعد۔ اور عصر کی نماز جب سورج منہ موڑ چکا ہو۔ اور مغرب رات کے داخل ہوتے ہی، اس میں اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ تارے نمایاں ہو جائیں عشاء اوّل شب میں مقرر کئے جانے کا حکم دیا جائے کہ جب اس کی اذان ہو تو لوگ مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ آئیں اور گھروں سے نکلنے سے پہلے غسل کریں[1]۔"

(اس کے بعد غنیمت، صدقہ اور خراج اور جزیہ کے احکام کی تفصیل ہے جن کو ہم نے یہاں کے مضمون سے غیر متعلق ہونے اور اختصار کے خیال سے نظر انداز کر دیا ہے۔)

ٹھیک اسی حقیقت کو حضرت عمرؓ نے اختصار و جامعیت کے ساتھ اپنے ایک خطبہ میں یوں بیان فرمایا:۔

اللّٰھم انی اشھدک علی امراء الامصار — اے اللہ میں تجھ کو اپنے عمال پر گواہ بناتا ہوں اس

---

[1] ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۲۴۱

| | |
|---|---|
| فانی انما بعثتہم لیعلموا الناس | نے ان کو صرف اس لئے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو |
| دینہم وسنۃ نبیّہم ویعدلوا علیہم، | ان کا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائیں اور ان کے |
| ویقسموا فیئاھم بینہم، ویرفعوا | اندر عدل قائم کریں اور ان کی فے ان کے درمیان تقسیم |
| الیّ ما اشکل علیہم من | کریں۔ اور اگر ان کو کوئی مشکل پیش آئے۔ تو اس کو |
| امرھم | میرے سامنے پیش کریں۔ |

ایک دوسرے خطبہ میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| انی لم استعمل عمالا لیضربوا | میں نے اپنے عمال اس لئے نہیں مقرر کئے ہیں کہ وہ |
| ابشارکم ولیشتموا اعراضکم | تمہیں ماریں پیٹیں، تمہاری آبرو ریزی کریں اور |
| ویاخذوا اموالکم لکنی استعملہم | تمہارے مال ہڑپ کریں۔ میں نے تو انکو اس لئے مقرر |
| لیعلموکم کتاب ربکم وسنۃ | کیا ہے۔ کہ وہ تم کو تمہارے پروردگار کی کتاب اور |
| نبیّکم | اس کے رسول کے طریقہ کی تعلیم دیں۔ |

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ اور حضرت عمرؓ کے ان ارشادات پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کے عمّال و امراء کا مقدم ترین فرض لوگوں کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنّت سے واقف کرانا اور ان پر عمل کرانا ہے۔ دوسرے سارے فرائض اس کے بعد ہیں۔ اور یہ فرض پوری وسعت کے ساتھ ان پر ڈالا گیا ہے[1]۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کسی علاقہ کے عوام کے اندر جو کمزوری یا خرابی بھی موجود ہے۔ خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، اس کی اصلی ذمّہ داری اس علاقہ کے حاکم پر ہے۔ اگر ان لوگوں کو ان کے شہری حقوق اور فرائض کا پتہ نہیں ہے۔ تو اس کی ذمہ داری بھی اس پر ہے۔ اور اگر لوگ اسلامی طریقۂ غسل و طہارت سے ناآشنا ہیں۔ تو اس کا ذمّہ دار بھی وہی ہے کسی علاقے کا حاکم صرف اتنی بات سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ کہ اس نے اس علاقہ میں امن قائم کر رکھا ہے اور لوگوں سے حکومت کے واجبات برابر وصول

---

[1] ظاہر بات ہے کہ اس کے بغیر تو وہ بنیاد ہی ڈھ جائیگی جس پر اسلامی معاشرہ اور ریاست استوار ہوتے ہیں

کر رہا ہے۔ اگر اس نے اتنا کر دیا ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنے فرائض کے بعض اجزاء پورے کر دیئے ہیں لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی ساری انتظامی مشینری اس طرح ترتیب دے کہ وہ بیک وقت لوگوں کو تعلیم بھی دے سکے، ان کے اخلاق کی تربیت بھی کر سکے اور ان کے اندر امن اور عدل بھی قائم کر سکے۔ حضرت عمرؓ کے حالات یہ جو ہم پڑھتے ہیں کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کی گرفت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ زمزم پر پانی پینے والوں کا ہجوم زیادہ ہو جاتا ہے اور لوگ آپس میں کشمکش شروع کر دیتے ہیں اور وہاں بھی لوگوں کو آداب و تہذیب سکھانے کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس امر کو اچھی طرح جانتے تھے کہ قوم میں جو انفرادی یا اجتماعی بیماری بھی موجود ہے۔ اس کے علاج کی اصلی ذمہ داری انہیں پر ہے۔

**اپنا عمل دوسروں کے لئے نمونہ**

اس فرض کو ٹھیک طور پر انجام دینے کیلئے جو چیز بطور اصول ہمارے ان بزرگ اسلاف نے پیش نظر رکھی اور جس کی ان کو تعلیم دی گئی وہ یہ تھی کہ جس طرز کی تبدیلی تم لوگوں میں پیدا کرنا چاہتے ہو اس کے عملی نمونہ خود ہو۔ تاکہ لوگ تم کو دیکھ کر اس تبدیلی کو اختیار کریں کسی بات پر عمل درحقیقت اس بات کی تائید میں بہت بڑی دلیل ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح کسی بات پر عمل نہ کرنا عمل نہ کرنیوالوں کی طرف سے اس بات کی مخالفت میں ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کسی بات پر خود عامل نہیں ہوتے، اور محض زبانی وعظ یا قانون کے بل پر دوسروں کو اس کا پابند بنانا چاہتے ہیں، ان کو اس مقصد میں کبھی کامیابی نہیں ہوتی۔ لوگوں کو ان کے عمل کی دلیل ان کے قول کی دلیل سے زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے۔ اور زیادہ اپیل کرتی ہے۔ آج تک دنیا میں کبھی یہ نہیں ہوا کہ زانیوں اور شرابیوں نے لوگوں میں زنا اور برائی کا احساس پیدا کیا ہو، خائنوں اور مسرفوں نے لوگوں میں امانت اور اعتدال کا جذبہ بیدار کیا ہو، راشیوں اور چور بازاری کرنے والوں نے لوگوں کو دیانت اور راستبازی کی روش سکھائی ہو اور کافرانہ عادات و خصائل اور جاہلی افکار و نظریات کے معتقدوں اور مریدوں نے اسلامی نظام زندگی برپا کیا ہو۔ ایسا نہ کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہو سکے گا۔ یہ چیز اس کائنات کے مزاج اور اس کی فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اسی اصول کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:-

ان الناس لا یزالون مستقیمین ما — لوگ اس وقت تک اپنی سیدھی راہ پر قائم رہیں گے

| | |
|---|---|
| استقامت لهم ائمتهم وهداتهم | جب تک ان کے حکام اور راہنما سیدھے راستہ پر رہیں گے |

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا :-

| | |
|---|---|
| "الرعیة مؤدیة الی الامام ما ادی الامام الی الله۔ فاذا رتع الامام رتعوا | لوگ امیر کے حقوق اس وقت تک ادا کریں گے جب تک امیر اللہ کے حقوق ادا کریگا جب امیر بے قید ہو جائیگا تو لوگ بھی بے قید ہو جائیں گے" |

اسی اصول کی طرف حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک نامہ میں توجہ دیتے ہوئے فرمایا :-

"سب سے زیادہ خوش قسمت حاکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس کے سبب سے اس کی رعایا خوشحال ہو۔ اور سب سے زیادہ بدبخت حاکم وہ ہے جس کے سبب سے اس کی رعایا بدحال ہو۔ تم خود اپنے آپ کو کجروی سے بچاؤ تاکہ تمہارے ماتحت کجروی نہ اختیار کریں۔ ورنہ تمہاری مثال اس چوپائے کی ہوگی جس نے کسی جگہ سبزہ دیکھا۔ اور اس میں چرنے کے لئے آگے بڑھ گیا تاکہ فربہ ہو جائے حالانکہ یہ فربہی اس کے لئے پیغام موت ثابت ہوئی" (کتاب الخراج ص۶۰)

اُمراء اور حکام کی دیانت اور امانت کا اثر جس طرح عوام پر پڑا کرتا ہے۔ اس کا کسی قدر اندازہ فتح مدائن کے موقع پر فوج کی دیانت سے ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر مسلمانوں کو جس کثیر مقدار میں اور جتنا بیش قیمت سروسامان ہاتھ آیا اس کی تفصیلات بیان میں نہیں سما سکتیں لیکن سروسامان سے زیادہ فوج کی دیانت قابلِ تعریف تھی کہ ایسے آزمائش کے موقع پر اتنی بڑی فوج کے اندر، ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلا جس کی دیانت پر شبہ کیا جا سکتا۔ سپہ سالار فوج نے لوگوں کی اس دیانت داری کو دیکھ کر کہا۔ اگر اہل بدر کی شان میں وہ کچھ نہ کہا گیا ہوتا جو کہا گیا ہے تو میں یہ کہتا کہ ان لوگوں کو اہل بدر کی فضیلت حاصل ہوئی۔ جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ اہل قادسیہ میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا طلبی کی کوئی لگاوٹ رکھی ہو۔ تین شخصوں کے بارہ میں شبہ کیا گیا لیکن تحقیق کی گئی تو وہ بھی زاہدوں کے زاہد نکلے۔ حضرت عمرؓ نے جب سروسامان پر ایک نظر ڈالی تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گیا کہ "ان قوما ادوا هذا لامناء" جن لوگوں نے یہ سامان حاضر کر دیا ہے۔ وہ بلا شبہ دیانتدار لوگ ہیں۔ اس پر حضرت علی بن ابی طالبؓ نے لوگوں کی اس دیانت کا فلسفہ بیان کیا اور وہ نکتہ ارشاد

فرمایا جس تک انہیں کی دقیقہ رس نگاہ پہنچ سکتی تھی۔ فرمایا:۔ انك عففت فعفت رعيتك ولو رتعت لرتعت "آپ خود دیانتدار ہیں، اس لئے آپ کی رعایا بھی دیانتدار ہے۔ اگر آپ خود بد دیانت ہوتے تو لوگ بھی خوب ہاتھ رنگتے"[1]

**بے لاگ عدل** بے لاگ عدل اسلامی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کا مقصد وجود ہے اس وجہ سے اس کے کارکنوں کے لئے ضروری ہے کہ عدل کرنے میں نہ وہ کسی سے خوف کھائیں اور نہ کسی کی رعایت کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ اگر "محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا" یہ العیاذ باللہ کوئی شاعری نہیں ہے بلکہ سرتاسر حقیقت ہے۔ اسلامی حکومت کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عدل کی تصویر ہونا چاہیئے اور اس معاملہ میں نہ بڑے اور چھوٹے میں کسی قسم کا فرق ہونا چاہیئے اور نہ کسی مصلحت اور مروّت کا لحاظ ہونا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"مجھ کو سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے روز مجھ سے قریب تر امام عادل ہوگا، اور مجھ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے دن امام ظالم ہوگا"

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی گورمنٹ کا بنیادی مقصد یہ بتایا تھا:۔

| | |
|---|---|
| والضعيف فيكم قوى عندى | اور تم میں جو بے اثر ہیں، میرے نزدیک وہ با اثر ہیں، |
| حتى اريح عليه حقه ان شاء الله | یہانتک کہ میں انکا حق واپس دلادوں (انشاء اللہ) |
| والقوى فيكم ضعيف عندى | اور تم میں جو با اثر ہیں وہ میرے نزدیک بے اثر ہیں، |
| حتى اخذ الحق منه ان شاء الله | یہانتک کہ میں ان سے دوسروں کا حق وصول کرلوں |
| (سیرت الصدیق ابی بکرؓ، محمد حسین ہیکل ص ۶۶) | (ان شاء اللہ) |

حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اسی حقیقت کا اعادہ ان الفاظ میں فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| والله ما منكم اقوى عندى | خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص میرے نزدیک ایک |
| من الضعيف حتى اخذ له الحق | بے اثر سے زیادہ با اثر نہیں ہے جبتک کہ میں |

[1] "الفاروق عمرؓ" تالیف محمد حسین ہیکل۔

ولا اضعف عندی من القوی — اس کا حق وصول نہ کرلوں، اور نہ کوئی شخص ایک بااثر
حتیٰ اخذ الحق منہ — سے زیادہ بے اثر ہے جب تک کہ میں اس سے
دوسرے کا غصب کیا ہوا حق وصول نہ کرلوں۔

یعنی حضرت عمرؓ کی حکومت میں آدمی کے ضعف و قوت کا انحصار اس کے مالی وسائل کی کمی بیشی، اس کے خاندان کی شرافت و رذالت اور حکومت کے اندر اس کی رسائی اور نارسائی پر نہیں تھا بلکہ اس بات پر تھا کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر۔ ایک شخص کتنا ہی بے وسیلہ اور بے سہارا کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ مظلوم ہے اور اس کا کوئی حق چھینا گیا ہے تو حضرت عمرؓ کی حکومت میں سب سے زیادہ طاقتور اور بااثر شخص اس وقت تک وہی شخص ہوتا تھا جب تک اس کا چھینا ہوا حق اس کو واپس نہ مل جائے کیونکہ اس وقت تک حکومت کی پوری طاقت اس کی پشت پر ہوتی تھی۔ اسی طرح کوئی شخص کتنے ہی وسیع اثرات اور کتنے ہی قوی وسائل و ذرائع رکھتا ہو لیکن اگر وہ ظالم اور غاصب ہے تو حضرت عمرؓ کی حکومت میں وہ شخص اس وقت تک سب سے زیادہ کمزور اور بے وسیلہ ہوتا جب تک اس کے حلق سے دوسرے کا نگلا ہوا حق اگلوا نہ لیا جائے، کیونکہ اس وقت تک حکومت کی پوری مشینری اس کے خلاف ہوتی تھی۔ اور کسی گوشہ سے اس کو کسی حمایت یا سفارش کی امید نہیں ہوسکتی تھی۔

اس فرض کو حضرت عمرؓ کی حکومت نے جس طرح ہر قسم کی رعایت اور ہر قسم کے خوف و لحاظ سے بے پرواہ ہو کر ادا کیا ہے وہ ایک صحیح اسلامی حکومت کے لئے ایک معیار ہے اس وجہ سے ہم یہاں فاروقی عدالت کے دو واقعے نقل کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک سے یہ واضح ہوگا کہ عدل کے قائم کرنے میں حضرت عمرؓ کی حکومت رشتہ و قرابت کے لحاظ میں کتنی بے درد واقع ہوئی تھی اور دوسرے سے یہ واضح ہوگا کہ ان کی حکومت میں خاندانی اثرات اور سرکاری تعلقات کی بے اثری اور بے وقعتی کا کیا عالم تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اپنے اہل و عیال کو یہ تنبیہ فرماتے رہتے تھے کہ " لا اعلمن احدا وقع فی شیئ مما نہیت عنہ الا اضعفت لہ العقوبۃ۔ جن باتوں کی میں نے ممانعت کردی ہے اگر تم میں سے کوئی ان میں مبتلا پایا گیا۔ تو یاد رکھو اس کو دوگنی سزا دوں گا۔"

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے "عبدالرحمٰن" نے مصر میں ایک روز شراب پی اور بدمست ہوگئے۔ اس کے بعد وہ خود حضرت عمرو بن عاص کی (جو اس وقت مصر کے گورنر تھے) خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جرم کا اقرار کر کے اُن سے درخواست کی کہ ان پر حد جاری کی جائے۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں، میں نے اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کر ٹال دینا چاہا لیکن وہ مُصر ہوئے کہ اگر ان پر حد نہ جاری کی گئی تو جب وہ مدینہ لوٹیں گے اس کی شکایت اپنے والد سے کریں گے۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں، مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے حد جاری نہ کی تو یہ فی الواقع حضرت عمرؓ سے شکائیت کردیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ میں معزول کردیا جاؤنگا۔ چنانچہ میں نے انکو اپنے مکان کے صحن میں بلا کر ان پر حد جاری کر دی۔ اور انہوں نے خود مکان کے ایک گوشہ میں جا کر اپنا سر مونڈ لیا۔ میں نے اس واقعہ کی کوئی اطلاع حضرت عمرؓ کو نہیں دی لیکن چند ہی دنوں کے بعد مجھے ان کا مندرجہ ذیل عتاب نامہ ملا۔

"امیر المومنین عبداللہ عمر کی طرف سے عاصی بن عاصی کے نام ــــ اے ابن عاص۔ مجھ کو تمہاری جسارت اور عہد شکنی پر تعجب ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تم معزول کر دئے جانے کے سزاوار ہو۔ تم نے عبدالرحمٰن پر اپنے مکان کے صحن کے اندر حد جاری کی اور مکان کے اندر ہی اس کا سر مونڈا، حالانکہ تم کو اچھی طرح علم ہے کہ اس قسم کی رعایت میری روش کے بالکل خلاف ہے۔ عبدالرحمٰن تمہاری رعیت میں سے ایک فرد تھا، تمہارے لئے لازم تھا کہ تم اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتے جیسا دوسروں کے ساتھ کرتے ہو۔ لیکن تم نے اس کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ اس مفروضہ پر کیا کہ وہ امیر المومنین کا بیٹا ہے، حالانکہ تم کو پتہ ہے کہ حق کے معاملہ میں میرے یہاں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہے۔ اس وجہ سے تم کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ میرا خط پاتے ہی عبدالرحمٰن کو میرے پاس روانہ کر دو تاکہ میں اس کو اس کے کئے کا مزا چکھاؤں۔"

عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی اپنی غلطی کا اقرار کیا کہ فی الواقع مجھ سے یہ بڑی تقصیر ہوئی کہ میں نے عبدالرحمٰن پر اپنے مکان کے اندر حد جاری کی حالانکہ دوسرے مسلمانوں اور ذمیوں پر حد جاری کرنے کے بارہ میں میرا یہ معمول نہیں تھا۔ میں نے یہ معذرت نامہ عبداللہ بن عمر کے ہاتھ بھیجا اور انہی کے ساتھ عبدالرحمٰن کو روانہ کیا۔ چونکہ عبدالرحمٰن کو

حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب صرف کاٹھی پر سوار کر کے بھیجا گیا تھا۔ اس وجہ سے ان غریب کے لئے حرکت کرنا بھی دشوار تھا۔ مدینہ پہنچے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیچ میں پڑے اور سفارش کی کہ امیرالمومنین ان پر حد جاری ہو چکی ہے اب ان کو کوئی مزید سزا نہ دی جائے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی بات کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ عبدالرحمٰن نے باپ کے تیور دیکھے تو چلّائے کہ میں بیمار ہوں اور آپ مجھے مارے ڈالنا چاہتے ہیں۔ روائیتوں میں ہے کہ اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کو سزا دی اور ان کو قید کیا۔ یہاں تک کہ وہ بیمار ہوئے اور انتقال فرما گئے[1]۔

اب لیے لاگ عدل کی ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ عمرو بن عاص مصر کے فاتح بھی تھے اور وہاں کے گورنر بھی تھے۔ اُن کے بیٹے محمد کا قصہ ہے کہ اس نے ایک مصری کے کوڑے مارے اور مارتے ہوئے یہ کہا کہ "یہ لے، میں ایک بڑے باپ کا بیٹا ہوں" عمرو بن عاص نے مصری کی دادرسی کرنے کے بجائے الٹے اس کو گرفتار کر لیا، کہ کہیں مدینہ جا کر امیرالمومنین سے شکایت نہ کر دے۔ مصری کچھ مدت کے بعد جب رہا ہوا تو سیدھے مدینہ پہنچا اور اس ظلم کی شکایت حضرت عمرؓ سے کی۔ حضرت عمرؓ نے مصری کو اپنے پاس روک لیا، اور عمرو بن عاص اور ان کے بیٹے کو مصر سے طلب فرمایا۔ دونوں مجلس قصاص میں حاضر کئے گئے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مصری کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں کوڑا دے کر فرمایا "یہ لے اور پہلے اس سے اس بڑے باپ کے بیٹے کی خبر لے" مصری نے محمد کو مارا اور لہولہان کر دیا۔ اور اس دوران میں حضرت عمرؓ برابر فرماتے رہے کہ" ہاں مار اس بڑے باپ کے بیٹے کو!" جب مصری مار چکا اور کوڑا حضرت عمرؓ کو واپس کرنے لگا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا "ایک دو عمرو بن عاص کی چندیا پر رسید کر کیونکہ انہی کے بل پر ان کے برخوردار نے تجھے کوڑے مارنے کی جرأت کی" عمرو بن عاص نے

---

[1] میں نے یہ واقعہ محمد حسین ہیکل کی کتاب "الفاروق عمرؓ" سے لیا ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن پر دوبارہ حد جاری کی۔ لیکن یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۱) بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان پر حد نہیں جاری کی تھی، بلکہ باپ ہونے کی حیثیت سے تادیب کے طور پر کچھ سزا دی تھی یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔

عرض کی کہ امیر المؤمنین! انصاف کا حق ادا ہو گیا۔ مصری نے بھی کہا کہ امیر المؤمنین میرے ساتھ جس نے زیادتی کی تھی، میں نے اس سے بدلہ لے لیا اب کسی اور سے بدلہ لینے کا میں خواہشمند نہیں ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تجھے اختیار ہے ورنہ اگر تو ان کو بھی مارتا، تو میں ان کے اور تیرے بیچ میں حائل ہونے والا نہیں تھا یہاں تک کہ تو خود ان کو چھوڑتا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص کی طرف نہایت غضبناک انداز میں دیکھ کر بولے، "عمرو! تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنا لیا، حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا"!

**فرائض کی براہ راست انجام دہی اور اپنی ذات سے انتقام**

حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"میں ایک عام مسلمان اور ایک کمزور بندہ ہوں، صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کا مجھے بھروسہ ہے۔ میں جس منصب پر مقرر کیا گیا ہوں، انشاء اللہ وہ میری طبیعت میں ذرہ برابر بھی تغیر پیدا نہیں کر سکے گا۔ بزرگی اور بڑائی جتنی کچھ بھی ہے سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بندوں کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ تم میں سے کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ عمر خلیفہ بن کے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ میں اپنی ذات سے بھی حق وصول کراؤں گا اور جس معاملہ میں ضرورت ہوگی خود بڑھ کر صفائی پیش کروں گا۔ جس شخص کو کوئی ضرورت ہو یا جس پر کوئی ظلم ہوا ہو یا جو شخص میری کسی بات پر نکتہ چینی کرنی چاہتا ہو۔ وہ براہ راست میرے پاس آئے میں تمہارے ہی اندر کا ایک آدمی ہوں، تمہاری بہبود مجھے عزیز ہے، تمہاری خفگی مجھ پر گراں ہے اور جو امانت میرے سپرد کی گئی ہے مجھے اس کی جوابدہی کرنی ہے جو معاملات میرے علم میں آئیں گے۔ میں ان کی براہ راست تحقیق کروں گا۔ ان کو کسی اور کے سر نہیں ڈالوں گا۔ البتہ جو معاملات مجھ سے دور ہیں۔ ان کے انتظام کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ میں ان کو تمہارے اندر سے ان لوگوں کے سپرد کروں جو قابل اعتماد اور عوام کے خیر خواہ ہوں۔ ایسے لوگوں کے سوا انشاء اللہ میں یہ امانت کسی اور کے سپرد نہیں کروں گا"۔

(الفاروق عمر صـ۱۰۶)

**نرمی، بردباری اور فیاضی**

حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی بہتری چاہتا ہے تو ان پر نجیدہ

اور یہ دبار لوگوں کو حاکم بناتا ہے اور ان کا مال فیاض لوگوں کی تحویل میں دیتا ہے اور جب کسی قوم کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، تو ان پر بیوقوفوں (بدھووں) کو مسلط کر دیتا ہے اور ان کا مال بخیلوں کے قبضہ میں دے دیتا ہے۔ آگاہ! جو شخص میری امت میں سے کسی منصب پر مامور ہوا، اور اس نے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں نرمی سے کام لیا، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت (قیامت) کے دن اس کے ساتھ نرمی برتے گا اور جو شخص لوگوں کی ضروریات کے درمیان اور اپنے درمیان حاجب و دربان کی دیوار کھڑی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے دن اس سے حجاب کرے گا۔"

خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے یہ دُعا فرمائی :-

"اے اللہ میں سخت دل ہوں مجھے نرم کر دے، میں کمزور ہوں مجھے مضبوط کر دے، میں بخیل ہوں مجھے سخی کر دے۔"

**نکتہ چینی کی حوصلہ افزائی** اسلامی حکومت کے امراء و عمال کے لئے ضروری ہے، کہ ان کے اندر اس بات کی گہری خواہش موجود رہے کہ لوگ ان کی غلطیوں اور کمزوریوں پر ان کو ٹوکتے رہیں۔ اس چیز کو روکنے کے لئے لوگوں کو مختلف طریقوں اور "قوانین" (اگر اس غرض کے لئے اختیار کئے گئے ہتھکنڈوں کو کسی کے نزدیک قانون کا نام دیا جا سکتا ہو)، کے ذریعے دہشت زدہ کرنے کے بجائے اُن پر لازم ہے کہ وہ اس کے لئے پبلک کو اکساتے رہنے کا سامان کریں۔ اسلامی نظام کو تنقید و احتساب سے کوئی خطرہ نہیں ہے، اسکو اگر کوئی خطرہ ہے تو عوام کے اندر احتساب، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی رُوح مردہ ہو جانے سے ہے۔ اگر لوگوں کے اندر تنقید کی رُوح بیدار ہے اور وہ ہر چھوٹے اور بڑے کی غلطیوں پر ٹوکنے اور ان کا محاسبہ کرنے کی جرأت رکھتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نظام کے اندر زندگی کی رُوح موجود ہے اور یہ باقی رہے گا۔ ہاں اگر لوگوں کے اندر اس فرض کا احساس کمزور ہو رہا ہو، تو ارباب حل و عقد کا فرض ہے کہ فوراً چوکنے ہوں اور اس بیماری کو دور کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ ہماری اسلامی ریاست کے لئے ایک واقعی خطرہ ہے اور اگر اس نے جڑ پکڑ لی تو پھر ریاست کی اسلامی خصوصیات کا باقی رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ اسلامی نظام کے لئے اس کی اس اہمیت ہی کی وجہ سے اسلام نے غلطیوں پر ٹوکنے

رہنما اور ان سے متنبہ کرتے رہنا افراد پر ان کے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے فرض قرار دیا ہے۔ اور ان لوگوں کو سخت وعیدیں سنائی ہیں جو علم رکھتے ہوئے اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کریں کیونکہ یہ درحقیقت اسلامی ریاست کے ساتھ سب سے بڑی دشمنی اور غداری ہے۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان سوسائٹی اور ان کے عمال و امراء کو فاسقانہ اعمال کے مرتکب ہوتے اور غیر اسلامی راستوں پر جاتے دیکھیں اور علم رکھنے کے باوجود ان کو اس پر نہ ٹوکیں، انہیں "گونگے شیطان" قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی ریاست کے سب سے پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو سب سے پہلا خطبہ دیا اسی میں اس حقیقت کو واضح کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا:۔

"اے لوگو! میں تمہارا خلیفہ بنا دیا گیا ہوں ...... خدا کی قسم! میں نے اس منصب کی کبھی آرزو نہیں کی، نہ رات میں اور نہ دن میں۔ اور نہ میں نے اس کے لئے کبھی دعا کی، نہ پوشیدہ، نہ علانیہ۔ مجھ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے جس کے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ لیکن اب اس سے مفر بھی نہیں ہے۔ میری دلی خواہش تھی کہ کاش میری جگہ اس کو کوئی ایسا شخص اٹھاتا جو ہم سب میں سب سے زیادہ مضبوط ہوتا۔ میں جب تک اللہ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ جب میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔"

اس کے بعد روتے ہوئے فرمایا:۔

"اے لوگو! میں اس جگہ اس لئے نہیں مقرر کیا گیا ہوں کہ تم سب سے بہترین کے رہوں۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ کوئی اور اس جگہ کو سنبھالتا۔ اگر تم مجھے اس وحی کے پیمانہ سے ناپوگے جس سے اللہ اپنے رسول کو سیدھا رکھتا تھا تو تم مجھے اس کا سزاوار نہ پاؤ گے۔ میں تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔ جب تم دیکھو کہ میں سیدھے راستہ پر چل رہا ہوں تو میری پیروی کرو اور اگر دیکھو کہ میں کج ہو گیا ہوں تو مجھے سیدھا کر دو۔"

(الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ جزء اوّل ص ۱۷)

ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ غلط فہمی پھیل گئی کہ آدمی پر صرف اس کے اپنے عمل کی ذمہ داری ہے۔ جماعت کے دوسرے لوگ جو چاہیں کرتے رہیں ان کی برائی اور بھلائی سے تعلق خدا کے ہاں اس سے

کوئی پرسش نہیں ہوگی۔ یہ لوگ قرآن مجید کی اس آیت سے دلیل پکڑتے تھے کہ "یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ (اے ایمان والو تم اپنے آپ کو بچاؤ جو لوگ گمراہ ہیں ان کی گمراہی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی جب کہ تم خود ہدایت پر ہو) حضرت ابوبکرؓ کو جب لوگوں کی اس غلط فہمی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کو بڑی اہمیت کے ساتھ محسوس کیا اور خیال کیا کہ اگر یہ غلط فہمی عام ہو گئی تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وہ رُوح ہی لوگوں کے اندر مردہ ہو جائے گی جس کے بغیر اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام کا اپنی صحیح حالت پر قائم رہنا ناممکن ہے چنانچہ انہوں نے فوراً اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے ایک تقریر میں فرمایا۔

"اے لوگو! تم لوگ اس آیت کا حوالہ دیتے ہو، یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ الآیۃ اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ لوگ جب بُرائی دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح نہیں کرتے تو بہت ممکن ہے کہ اس کے سبب سے جو عذاب آئے وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے[۱]"۔ (کتاب الخراج ص۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رعب و دبدبہ کس قدر مشہور عام چیز ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے لوگوں کی تنقیدوں کو جس کشادہ دلی کے ساتھ نہ صرف سُنا ہے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے ہم ان مشہور واقعات کو جو عام طور پر لوگوں کی زبانوں پر ہیں نظر انداز کر کے اس بارہ

---

[۱] راوی نے صرف خطبہ کی ایک بات نقل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ خطبہ صرف اسی قدر نہیں ہوگا بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے آیت کا موقع و محل اور اس کا صحیح مفہوم تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہوگا۔

قرآن شریف میں یہ آیت اس موقعہ پر ہے جہاں مسلمانوں کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ داعیانِ حق پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس حد تک ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان پر صرف حق کو پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، اگر انہوں نے یہ ذمہ داری ادا کر دی تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش اور خدا کے مواخذہ سے بری ہو گئے۔ اس کے بعد حق کو قبول کرنا یا نہ کرنا دوسروں کا کام ہے۔ اور قیامت کے دن اس کا مواخذہ انہی سے ہوگا۔ داعیانِ حق سے اس بات کی کوئی پرسش نہیں ہوگی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔

میں ان کی بعض ایسی ہدایات نقل کرتے ہیں جو عام طور پر لوگوں کے علم میں نہیں ہیں :-

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا، اے عمر! اللہ سے ڈرو اور اس جملہ کو بار بار دہرایا۔ ایک دوسرے شخص نے اس کو ٹوکا کہ اب بس بھی کرو، بہت ہو چکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ان کو کہنے دو۔ اگر یہ ہم کو یہ باتیں نہ کہیں تو ان میں کوئی خوبی نہیں اور اگر ہم ان کی ان نصیحتوں کو قبول نہ کریں تو ہم میں کوئی خوبی نہیں ہے۔" (کتاب الخراج صک)

## ایک دفعہ رعایا کے حقوق و فرائض کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

"اور تم میرے نفس کے مقابلہ میں میری مدد اس طرح کر سکتے ہو کہ مجھے بھلائی کا حکم دو۔ اور برائی سے روکو۔ خدا نے تمہاری جو ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ اس کے بارہ میں میری خیر خواہی اور مجھے نصیحت کرتے رہو۔"

(الفاروق عمر ص۹۹)

## حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا :-

" اللہ تعالیٰ خواص کی بدکاریوں کی پاداش میں عوام کو نہیں پکڑتا۔ مگر جب برائیاں کھلم کھلا ہونے لگتی ہیں اور ان کے خلاف آواز نہیں اٹھتی تو سب سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں۔" (کتاب الخراج ص۸)

## رعایا کی خیر خواہی اور ان کے حال پر شفقت

"معقل بن یسار سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کا چرواہا (حاکم) بنایا۔ اور وہ اس حال میں مرا کہ اس نے لوگوں کی بدخواہی کی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔" (متفق علیہ)

یہی روایت دوسرے الفاظ میں یوں بیان کی گئی ہے :-

" جو شخص مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا جائے۔ پھر نہ تو وہ ان کے لئے کوشش کرے اور نہ ان کی خیر خواہی کرے تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔" (مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ اے اللہ جو شخص میری امت کے لوگوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا جائے۔ اور وہ ان کو مشقت

میں ڈالے تو تو بھی اس کو مشقت میں ڈال۔ اور جو شخص میری امت کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر۔" (احمد و مسلم)

**جہالت اور طیش مزاجی سے احتراز**

ابو اسامہ ہذلی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے اوپر ہمارا یہ حق ہے کہ تم پیٹھ پیچھے ہماری خیر خواہی کرو اور بھلائی کے کاموں میں ہماری مدد کرو۔"

اس کے بعد حکام اور امراء سے خطاب کر کے فرمایا:۔

"ایک افسر اور حاکم کی بردباری سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی بھی بردباری اور نرمی پسند نہیں ہے اور نہ اس کی بردباری اور نرمی سے زیادہ کسی کی بردباری اور نرمی کا فائدہ وسیع اور عام ہے۔ اسی طرح ایک حاکم اور افسر کی طیش مزاجی اور جہالت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کی طیش مزاجی اور جہالت مبغوض نہیں ہے اور نہ اس کی طیش مزاجی اور جہالت سے زیادہ کسی کی جہالت اور طیش مزاجی کا ضرر عام ہے جو شخص لوگوں کے درمیان سلامتی کی روش اختیار کرتا ہے۔ وہ اوپر اللہ تعالیٰ اسے سلامتی اور عافیت کا انعام پاتا ہے۔" (کتاب الخراج۔ قاضی ابو یوسف ص۶)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ "زاد المعاد" میں آیت "خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ"[۱] کے اسرار پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس آیت میں حکمرانوں کے تمام مکارم اخلاق اور اچھے اوصاف جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک حکمران کو اس کی رعیت سے متعلق تین طرح کی حالتیں پیش آسکتی ہیں۔ ایک تو اس کا وہ حق ہے جو ان پر عائد ہوتا ہے اور جو لازماً ان کو ادا کرنا ہے۔ دوسرے وہ حکم ہے جو اس کو دیتا ہے تیسرے وہ کوتاہی جو رعایا سے صادر ہو سکتی ہے۔ پہلے کے بارہ میں (اس آیت میں) ان کو حکم دیا کہ جو کچھ رعایا آسانی کے ساتھ برضا و رغبت ادا کرے اور جو اس کے لئے بار نہ ہو اس کو قبول کر لے عفو کے لفظ سے مراد یہ ہے کہ جس کا ادا کرنا رعایا کے لئے شاق نہ ہو۔ دوسرے کے بارے میں فرمایا کہ ان کو عرف کا حکم دے عُرف سے مراد معروف

[۱] عفو اختیار کر، معروف کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر۔

ہے یعنی وہ بات جس کو عقل سلیم اور فطرت سلیم تسلیم کرتی ہے اور جس کے نافع ہونے پر رعایا کو اطمینان ہے۔ پھر فرمایا کہ جب اس کا حکم دے تو حکم دینے کا انداز بھی معروف ہو یعنی سختی اور درشتی کا انداز نہ ہو اور جو لوگ جہالت اور بدتمیزی سے پیش آئیں، ان کے شر کا جواب شر سے دینے کے بجائے ان سے چشم پوشی کرے"۔

(زادالمعاد جلد ۲ ص ۱۱۵)

**ہمیشہ حق کے راستہ کا انتخاب** | قاضی ابو یوسف صاحب نے ہارون الرشید کو مندرجہ ذیل ہدایت فرمائی:۔

"حکام کو اپنے رب کے حضور اسی طرح جوابدہی کرنی پڑے گی جس طرح ایک چرواہے کو اپنے آقا کے سامنے کرنی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالی ہے اس میں حق قائم کیجئے، اگرچہ ایک ہی گھنٹہ کے لئے ممکن ہو خوش قسمت امیر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہوگا جس کی رعایا اس کے سبب سے خوشحال ہو۔"

"اور آپ حق سے نہ ہٹیئے کہ آپ کی رعایا بھی حق سے ہٹ جائے۔ خواہش کے مطابق حکم دینے اور غصہ میں مواخذہ کرنے سے بچیئے۔ جب آپ کے سامنے دو راہیں ہوں، ایک دنیا کی اور دوسری آخرت کی تو دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی راہ اختیار کیجئے ......"

"اللہ کے معاملہ میں اور خدا کے قانون کے جاری کرنے کے بارہ میں بیگانے اور یگانے سب کو کوئی فرق نہ کیجئے اور دین کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ سے برابر ڈرتے رہیئے اور ڈرنا دل سے ہوتا ہے، نہ زبان سے۔ تقویٰ اختیار کیجئے اور تقویٰ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کا نام ہے، اور جو شخص بچنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بچاتا بھی ہے:"

(کتاب الخراج ص ۳)

**صرف اللہ سے رہنمائی کی طلب** | اسی سلسلہ میں قاضی صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

اور میں آپ کو اے امیر المؤمنین اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو امانت آپ کی حفاظت میں دی ہے اس کی حفاظت کیجئے اور جس چیز کی نگرانی کا بوجھ آپ پر ڈالا ہے اس کو پوری ذمہ داری کے ساتھ اٹھائیے اور اس معاملہ میں امداد اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف نہ دیکھئے۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے امداد و رہنمائی حاصل کرنا چاہیں گے تو ہدایت کی سہل راہ آپ کے لئے دشوار گذار بن جائے گی، اور اس کے نشانات آپ کی

نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے، اس کی کشادگی آپ پر تنگ کر دی جائے گی، اس کا منکر معروف بن جائے گا۔ اور معروف منکر بن جائے گا ...... ہر آدمی سے اس نقصان کے بابت بازپرس ہوگی جو اس کے سپرد کئے ہوئے گلہ میں واقع ہوگا کیونکہ اگر وہ چاہتا تو اس کو تباہی کے مواقع سے دور رکھ کر، اللہ کے حکم سے اس کو نقصان سے بچا سکتا تھا۔ اور اس کو زندگی اور نجات کے راستہ پر لا سکتا تھا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کی طلب چھوڑ دیگا تو اللہ تعالیٰ اس کو چھوڑ دیگا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے رہنمائی اور الہام حاصل کریگا تو یہ تباہی بڑی تیزی کے ساتھ آئے گی۔ اور اگر اس نے اصلاح کی تو آخرت میں اس کی کامیابی اور خوشحالی اس سے کہیں زیادہ ہوگی جتنی آج ہے اور اس نے اللہ کے ساتھ جو وفاداری کی ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اس سے کہیں زیادہ عطا فرمائے گا جتنی اس نے وفاداری کی ہے۔ پس آپ اس بات سے بچیئے کہ آپ اپنی رعایا کو ضائع کریں اور اللہ تعالیٰ ان کا حق آپ سے وصول کرے اور چونکہ آپ نے اپنا اجر ضائع کر دیا۔ اس لئے وہ بھی آپ کو ضائع کر دے۔ یاد رکھیئے کہ عمارت کو سہارا دینے کی فکر اس کے گرنے سے پہلے کی جاتی ہے جن لوگوں کی سربراہ کاری اور حفاظت کا بار اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالا ہے آپ جو کچھ ان کے لئے کریں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا صلہ پائیں گے اور ان کے جو حقوق آپ ضائع کریں گے اس کا وبال آپ پر آئے گا پس ان لوگوں کے فرائض کو نہ بھولیئے جن کا بار خدا نے آپ پر ڈالا ہے وہ بھی آپکو نہیں بھولے گا۔ آپ ان کے حقوق اور ان کی بہبود سے غافل نہ ہوں، اللہ بھی آپ سے غافل نہ ہوگا" (کتاب الخراج صہ۱)

**تمسک بالکتاب والسنۃ** حکمرانی کی ذمہ داریاں سر پر آجانے کے بعد آدمی کو راہ حق پر استوار رکھنے کے لئے جو چیزیں سب سے زیادہ ضروری ہیں ان کی طرف ہارون الرشید کی توجہ دلاتے ہوئے قاضی ابو یوسف صاحب اسی مذکورہ بالا سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

---

۱؎ ان نصیحتوں کو پڑھتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ یہ نصیحتیں کسی تنگ خیال مذہبی ملّا کی نہیں ہیں بلکہ ایک ایسے شخص کی ہیں جو اپنے زمانہ کی سب سے بڑی اور ترقی یافتہ سلطنت کا قاضی القضاۃ (Chief Justice) اور علمی و عملی سیاست کا سب سے بڑا ماہر تھا، اور جس شخص کو یہ نصیحتیں کی جا رہی ہیں وہ بھی کوئی معمولی درجہ کا آدمی نہیں ہے۔ بلکہ اپنے عہد کا اتنا بڑا حکمران تھا کہ یورپ کے بڑے بڑے سلاطین کو نہایت حقارت کے ساتھ مخاطب کیا کرتا تھا۔

"ان ایّام میں جو چیز آپ کو اس دنیا کے حاصلِ حقیقی کے ضائع کرنے سے بچا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے دل میں کثرت کے ساتھ اللہ کی حمد و تسبیح کیجئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر درود بھیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت اور اپنی مہربانی سے اصحابِ حکومت کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور ان کے درمیان ایک روشنی (قرآن مجید) نازل کی ہے جو رعایا کی تمام نزاعی امور کا تصفیہ اور تمام مشتبہ حقوق کا فیصلہ کرتی ہے۔ امراء اور حکام کی طرف سے اس نور کا روشن رکھنا یہ ہے کہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حدود قائم کئے جائیں اور اہلِ حق کے حقوق پورے انصاف اور قوت کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ اور صالحین نے جو سنت قائم کی ہے اس کو زندہ رکھنا سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ پیش نظر ہونا چاہیئے کیونکہ صالحین کے طریقوں کو زندہ رکھنا ان بھلائیوں میں سے ہے جو ہمیشہ زندہ رہتی ہیں کبھی مرتی نہیں ہیں۔ حکمران کا ظلم عوام کی تباہی ہے اور اس حکمرانی کے کام میں ایسے لوگوں کو شریک بنانا جو اچھے اور قابلِ اعتماد نہیں ہیں عوام کی اور زیادہ تباہی ہے۔ اس نعمت کا صحیح طور پر حق اور اس کا پورا پورا شکر ادا کرنے کی کوشش کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آپ کے لئے کامل کرے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہاری نعمت کو زیادہ کروں گا)۔ صلاح سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز پسند نہیں ہے اور نہ فساد سے زیادہ کوئی چیز ناپسند ہے۔ اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی اس کی نعمتوں کی ناشکری ہے اور جو قوم اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہے اور پھر جلد توبہ کے ذریعہ اصلاحِ حال کی کوشش نہیں کرتی اللہ تعالیٰ اس سے اپنی بخشی ہوئی عزت چھین لیتا ہے۔" (کتاب الخراج صہ)

**تواضع یعنی مصنوعی کرّوفر سے پرہیز**

اسلامی حکومت کے امراء و عمال کے لئے اصلی عزت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے واسطہ سے ان کو حاصل ہوتی ہو اور یہی حقیقی عزت ہے۔ اس وجہ سے اس عزت کے سوا کسی اور عزت کا نہ ان کے دلوں میں ارمان ہونا چاہیئے اور نہ دین اور اطاعتِ الٰہی کے سوا عزت حاصل کرنے کا کوئی اور راستہ انہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ عزت حاصل کرنے کے وہ تمام جھوٹے طریقے جو دنیا پرست اور جاہ پسند اربابِ اقتدار نے اختیار کئے ہیں مثلاً آداب و کورنش، شاہانہ جلوس، درباری طمطراق، ہٹو بچو، توپوں کی سلامی، باڈی گارڈ کی نمائش، گارڈ آف آنر اور اس قسم

کے دوسرے مظاہر ہے بسب عبدیت اور خدا پرستی کی رُوح کے منافی اور انسان کے استکبار اور اس کے دعویٔ خدائی کی نشانیاں ہیں۔ اس وجہ سے اسلامی نظام زندگی سے یہ چیزیں بالکل بے جوڑ ہیں اور جو لوگ اس معوضہ پر ان چیزوں کو اختیار کرتے ہیں کہ ان سے دین کی شان میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ دراصل اپنے کبرِ نفس کو چھپانے کے لئے دین کو پردہ بناتے ہیں۔ ورنہ جہاں یہ فتنے موجود ہوں وہاں دین بیچارے کا کیا کام!

حضرت عمرؓ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو نہ کوئی دربار سجایا گیا، نہ جلوس نکالا گیا، نہ جھنڈے لہرائے گئے اور نہ سلامیاں پیش کی گئیں۔ البتہ حضرت علیؓ نے ان کو مندرجہ ذیل نصیحتیں فرمائیں جو آج تک اوراق تاریخ میں ثبت ہیں اور حضرت عمرؓ نے ان نصیحتوں پر جس طرح عمل کیا، اسلامی تاریخ کے ہر طالب علم پر روشن ہے:-

"اگر آپ اپنے پیشرو کی جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو قمیص میں پیوند لگائیے۔ تہبند اونچی کیجئے جُوتے اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیجئے۔ جرابوں میں پیوند لگائیے۔ امان کم کیجئے اور بھوک سے کم کھائیے۔"

(کتاب الخراج ص ۹)

ان نمائشوں سے اگر دین کی دھاک قائم ہو سکتی تو اس مصلحت کے لحاظ سے اس سے زیادہ موزوں بلکہ ضروری وقت اور کون ہو سکتا تھا جب حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر فرمایا تھا؟ ملک ابھی تازہ تازہ فتح ہوا تھا اور اہلِ ملک رومیوں کے جاہ وجلال کے دیکھنے کے عادی تھے لیکن حضرت عمرؓ نے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور یہ نہیں کہ اپنی طبعی سادگی کی بنا پر اتفاقیہ اس کی پرواہ نہیں کی بلکہ لوگوں نے بڑے زور وقوت کے ساتھ وقت کی مصلحت ان کو سمجھانے کی بھی کوشش کی، لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی اور اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ دین کی عزت کے سوا جو لوگ کسی اور عزت کے طالب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل کر دیتا ہے۔ اب مؤرخین کے حسب ذیل بیان میں ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عمرؓ کا یہ سفر کس شان کے ساتھ ہوتا ہے اور جب لوگ ان کو مشورے دیتے ہیں کہ وہ وقت کی مصلحتوں کا لحاظ فرمائیں تو وہ کیا جواب دیتے ہیں[1]:-

[1] یہ واقعات محمد حسین ہیکل کی کتاب "الفاروق عمرؓ" صفحہ ۱۲۸ سے لئے گئے ہیں

"حضرت عمرؓ جب مدینہ سے جابیہ کو روانہ ہوئے تو ایک اونٹ پر روانہ ہوئے۔ ساتھ دو تھیلے تھے۔ ایک میں ستو تھے اور دوسرے میں کھجوریں، سامنے پانی کی مشک تھی اور پیچھے توشہ دان۔ صحابہ کی ایک جماعت بھی ساتھ تھی، جب کھانے کا وقت ہوتا، آپ اپنا توشہ دان پیش کرتے اور سب لوگ آپ کے ساتھ ہی کھانا کھاتے، ساتھ ساتھ تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ سفر میں جہاں ایسے مسلمان نظر پڑ جاتے جو دین سے ناواقف نظر آتے حضرت عمرؓ ان کو دین کی باتیں بتاتے تھے۔ جب شام کے قریب پہنچے تو کچھ سوار نظر آئے، جن کو ابو عبیدہ نے خبر لینے کے لئے بھیجا تھا۔ بیت المقدس میں داخل ہوتے وقت حضرت عمرؓ کے جسم پر جو کپڑا تھا اس میں چودہ[۱۴] پیوند لگے ہوئے تھے، جن میں بعض پیوند چمڑے کے تھے، آپ کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اس موقع پر اونٹ کی بجائے گھوڑے کی سواری موزوں رہے گی، اور کپڑے بھی سفید پہن لیجئے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے اصرار پر کپڑے بدل لئے اور کندھے پر ابو عبیدہ کا پیش کیا ہوا کتان کا ایک رومال بھی ڈال لیا، پھر ایک اسپ تازی لایا گیا اور اس پر سوار ہوئے۔ لیکن جب وہ اٹھلاتا ہوا چلا تو فوراً اتر پڑے اور ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "مسلمانو! میری غلطی معاف کرنا، قریب تھا کہ تمہارا امیر ہلاک (DAMN) ہو جائے، اس سروسامان نے میرے دل میں عجیب غرور پیدا کر دیا تھا، اس کے بعد فوراً یہ نئے کپڑے بھی اتار پھینکے اور اپنے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لئے۔"

ابن کثیر نے اس سفر کی تصویر اس طرح کھینچی ہے:-

"عمر بن الخطاب ایلیہ کے راستہ سے جابیہ ایک سفید اونٹ پر تشریف لائے، دھوپ ان کی پیشانی پر پڑ رہی تھی، سر پر نہ ٹوپی تھی، نہ عمامہ، کجاوہ کے دونوں طرف پاؤں بغیر رکاب کے لٹک رہے تھے۔ ایک کمبل تھا اترتے تو اس سے بستر کا کام لیتے اور سوار ہوتے تو اس کو کجاوہ پر ڈال لیتے۔ کھدر کی قمیص پہنے ہوئے تھے جو پرانی ہو کر دونوں پہلوؤں سے پھٹ چلی تھی۔ پہنچتے ہی فرمایا، قوم کے سردار کو بلاؤ۔ لوگوں نے پادری کو بلایا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا، میری یہ قمیص دھو کر سی دو اور ایک کپڑا یا قمیص مجھے مستعار دو، وہ ایک کتان کی قمیص لایا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیا کپڑا ہے؟ اس نے کہا، کتان۔ فرمایا۔ کتان کیا چیز ہے؟ اس نے اس کی حقیقت بتائی، اس کے بعد آپ نے اپنی قمیص اتار دی، وہ اسے دھو کر اور پیوند لگا کر لایا۔ آپ نے اپنی

قمیص پہن لی اور اس کی قمیص اتار دی۔ پادری نے کہا، آپ عرب کے بادشاہ ہیں اور یہ ملک اونٹ کی سواری کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس وجہ سے اگر آپ لباس بدل لیتے اور گھوڑے پر سوار ہوتے تو رومیوں کی نظر میں اس کی وقعت ہوتی، حضرت عمرؓ نے اس کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو عزت بخشی ہے وہ اسلام کے ذریعہ سے بخشی ہے۔ اور ہم اسلام کے سوا کسی اور چیز کو ذریعۂ عزت بنانا نہیں چاہتے۔ اس کے بعد ایک اسپ تازی لایا گیا جس پر بغیر کاٹھی اور زین کے محض ایک معمولی سا کوئی کپڑا ڈال کر سوار ہوئے لیکن ابھی سوار ہوئے ہی تھے، کہ فرمایا، روکو، روکو، میں نے اس سے پہلے شیطان پر سوار ہوتے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ یہ کہہ کے اتر پڑے، اس کے بعد ان کا اونٹ لایا گیا اور اس پر سوار ہوئے۔"

ابن کثیر نے اس سفر کے سلسلہ کا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے جو سننے کے قابل ہے:۔

"طارق ابن شہاب سے روایت ہے کہ شام کے سفر کے دوران میں حضرت عمرؓ کو راستہ میں ایک جگہ پانی عبور کرنا پڑا، بے تکلف اونٹ سے اترے، چرمی موزے اتار کر ہاتھ میں لئے، اونٹ کی نکیل پکڑی اور پانی میں گھس گئے، سپہ سالار فوج ابو عبیدہ ساتھ تھے، یہ ماجرا دیکھ کر بولے، امیر المؤمنین، یہاں کے لوگ آپ کی اس بات کو دیکھ کر بڑا تعجب کریں گے حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا، ابو عبیدہؓ کاش یہ بات تمہارے سوا کوئی اور کہتا، کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کہ ہم سے زیادہ ذلیل، ہم سے زیادہ حقیر اور ہم سے زیادہ کم تعداد کوئی اور قوم دنیا میں نہ تھی، لیکن اللہ تعالےٰ نے ہم کو اسلام کے ذریعہ سے عزت دی۔ تو یاد رکھو کہ اگر تم اسلام کی بخشی ہوئی عزت کے سوا اور کوئی عزت حاصل کرنا چاہوگے تو اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل کردے گا۔"

یہ اس شخص کے اپنے مفتوحہ علاقہ کے سفر کی شان ہے جس کی فاتح فوجیں عرب سے نکل کر مشرق میں افغانستان اور چین کے حدود تک، شمال میں اناطولیہ اور بحر قزوین (CASPIAN SEA.) تک مغرب میں ٹیونس تک اور جنوب میں ملک حبش تک پہنچ چکی تھیں اور جس نے قیصر و کسریٰ کی ساری شان خاک میں ملا دی تھی۔

حضرت عمرؓ نے یہی روش خود رکھی، اور اسی پر اپنے عمال اور افسران اور عام مسلمانوں کو قائم رکھا اور اگر کسی افسر کے متعلق ان کو پتہ چلا، کہ اس نے کوئی بات اس روش کے خلاف کی ہے تو اس پر پوری شدت کے ساتھ گرفت کی اور اس معاملہ میں کسی کی بڑائی کی پرواہ نہ کی اور نہ کسی مصلحت کا لحاظ کیا۔

حضرت سعد کوفہ کے امیر) کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ :۔

انہوں نے ایک محل بنوایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو کوفہ بھیجا کہ جا کر محل کے دروازے کو جلا دو۔ اور الٹے پاؤں واپس آؤ۔ ابن مسلمہ کوفہ پہنچے۔ سعد کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو محل کے اندر بلوایا لیکن انہوں نے محل کے اندر داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ وہ خود باہر نکلے اور چاہا کہ ان کی کچھ میزبانی کریں لیکن انہوں نے اس کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ان کو حضرت عمرؓ کا خط دیا۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے ایک محل بنوایا ہے جو ایک پورا قلعہ ہے اور اس کو قصر سعد کہا جاتا ہے اور تم نے اپنے اور لوگوں کے درمیان ایک دروازہ قائم کر دیا ہے۔ یہ تمہارا محل نہیں ہے۔ بلکہ فساد اور تباہی کا گھر ہے۔ تم اس کے ایک حصہ میں جو بیت المال سے متصل ہے، قیام کرو اور بقیہ کو بند کر دو۔ اور کوئی ایسا دروازہ نہ رکھو جو لوگوں کو تمہارے پاس پہنچنے سے روکے اور ان کو ان کے حقوق سے محروم کرے ایسا کرو کہ لوگ ہر حالت میں تم سے مل سکیں۔"

اس خط کو پڑھنے کے بعد انہوں نے قاصد کو تمام صورت حال سے اچھی طرح آگاہ کیا۔ اور اس کو پوری طرح مطمئن کر کے واپس بھیجا۔

یہی کفایت شعاری اور سادگی وہ عام مسلمانوں کی زندگیوں میں بھی نمایاں دیکھنا چاہتے تھے، اور اسی چیز کو سنت کی پیروی اور اسی پر سلطنت کے بقا کا انحصار سمجھتے تھے، چنانچہ کوفہ کی تعمیر کے وقت مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ کوئی شخص تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔ اور نہ کوئی شخص اونچی عمارت بنوائے۔ اور فرمایا کہ:۔

"سنت پر قائم رہو، تمہاری یہ سلطنت بھی قائم رہے گی۔"

| | |
|---|---|
| رعایا کی خبر گیری اور ان کے دکھ درد میں شرکت | حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ رعایا کے حقوق کی تصریح کرتے ہوئے اپنے اوپر رعایا کے مندرجہ ذیل حقوق بیان فرمائے ؛۔ |

| | |
|---|---|
| لکم علی الا اجتبی شیئا من خراجکم | تمہارا میرے اوپر یہ حق ہے کہ میں تمہارے خراج اور |
| ولا ما افاء الله علیکم الا من وجهه | فے میں سے کوئی چیز ناجائز طریقہ سے حاصل نہ کروں |
| ولکم علی اذا وقع فی یدی الا | اور تمہارا میرے اوپر یہ بھی حق ہے کہ جب وہ میری |

يخرج الا في حقه ولكم علي ان ادر عطاياكم وارزاقكم ان شاء الله واسد ثغوركم ولكم علي الا القيكم في المهالك ولا اجمركم في ثغوركم واذا غبتم في البعوث فانا ابوالعيال۔

تحویل میں آجائے تو وہ صرف صحیح مصرف میں خرچ ہو اور تمہارا میرے اوپر یہ بھی حق ہے کہ میں تمہارے وظائف اور روزینوں میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کی حفاظت کروں۔ اور تمہارا میرے اوپر یہ بھی حق ہے کہ میں تم کو خطرات میں نہ ڈالوں اور نہ تم کو بلا ضرورت تمہارے بیوی بچوں سے الگ کرکے سرحدوں پر محصور رکھوں اور پھر تمہارا میرے اوپر یہ بھی حق ہے کہ جب تم جہاد کے سلسلے میں اپنے بچوں سے دور ہو تو میں ان بچوں کا باپ بنوں"

اس موقعہ پر ہم ان تمام حقوق سے صرف آخری حق کے متعلق حضرت عمرؓ کی زندگی کے بعض واقعات پیش کرتے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ رعایا کے باپ بننے کے معنی فی الواقع کیا ہیں ؛ دنیا میں اس کا دعویٰ کرنیوالوں کی کمی نہیں رہی ہے، حکمرانی کی باگ جن ہاتھوں میں بھی آئی ہے، انہوں نے اپنے آپکو ہمیشہ اسی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور اسی حیثیت سے لوگوں سے اپنے واجبی حقوق سے کہیں زیادہ حقوق بھی وصول کئے ہیں۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ جنہوں نے رعایا کے باپ ہونے کے دعوے کئے ہوں، انہوں نے باپ کے فرائض بھی ادا کئے ہوں۔ اس وجہ سے اگرچہ نظری طور پر اس امر سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ کہ حکومت کے ارباب حل و عقد رعایا کے باپ ہوتے ہیں لیکن عملی طور پر لوگ اس حقیقت سے بھی بالکل ناآشنا ہیں۔ ہم اس حقیقت کو معین عملی مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ ایک صحیح اسلامی ریاست کے اندر یہ نظریہ عمل میں کس طرح نمایاں ہوگا۔

(۱) ایک شب میں حضرت عمرؓ اپنے غلام اسلم کو ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکل گئے۔ ایک خیمہ نظر پڑا تو ادھر کو مڑ گئے۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت دردزہ میں مبتلا ہے اور تکلیف سے تڑپ رہی ہے حضرت عمرؓ نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں ایک بدوی عورت ہوں۔ اور میرے پاس اسوقت

کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو اس موقع پر کام آسکے حضرت عمرؓ یہ سُن کر بھاگے ہوئے گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم بنت ابی طالب سے فرمایا، اللہ کی مہربانی سے ثواب حاصل کرنے کا ایک عمدہ موقع نکل آیا ہے کیا اس کے لئے تیار ہو؟ اس کے بعد واقعہ کی پوری تفصیل ان کو سنائی۔ وہ اس خدمت کے لئے فوراً تیار ہوگئیں حضرت عمرؓ نے اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لادی اور کچھ روغن ساتھ لیا اور ام کلثوم نے وہ ضروری چیزیں ساتھ لیں جو ولادت کے سلسلہ میں کام آتی ہیں اور میاں بیوی فوراً بدو کے خیمہ کے پاس پہنچ گئے ام کلثوم خیمہ کے اندر چلی گئیں اور حضرت عمرؓ خیمہ کے باہر بیٹھ کر بدو سے باتیں کرنے لگے۔ غریب بدو کو کچھ پتہ نہیں کہ وہ اس وقت کس سے ہم کلام ہے۔ اتنے میں اندر سے حضرت ام کلثوم نے فرمایا کہ امیر المومنین اپنے ساتھی کو فرزند کی بشارت دیجئے۔ اب بدو کو پتہ چلا کہ یہ امیر المومنین ہیں۔ وہ ششدر رہ گیا اور معذرت کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو تشفی دی اور ضرورت کی چیزیں دے کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

(۲) ایک روز رات کو گشت میں حضرت عمرؓ نے کسی بچہ کے رونے کی آواز سنی، اس کی ماں کو مخاطب کر کے فرمایا، اے عورت، اللہ سے ڈر، اور اس بچہ سے اچھا سلوک کر۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بچہ کے رونے کی آواز پھر کانوں میں آئی۔ انہوں نے اس کی ماں کو مخاطب کر کے پھر وہی بات فرمائی۔ شب کے آخری حصہ میں بچہ پھر روتا ہوا معلوم ہوا۔ اب کے حضرت عمرؓ نے قریب ہو کر غصہ کے ساتھ فرمایا، تو کتنی بُری ماں ہے۔ تیرے بچہ نے رات بھر دم نہیں لیا! عورت نے جواب دیا، میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں۔ مگر یہ مانتا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا، تو اس کا دودھ کیوں چھڑا رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ [redacted] دھ اس لئے چھڑا رہی ہوں کہ جب تک بچہ دودھ نہیں چھوڑتا اسوقت تک عمرؓ اس کا وظیفہ نہیں مقرر کرتا۔ پوچھا تیرے بچہ کی عمر کیا ہے؟ اس نے کہا۔ اتنے مہینے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر فرمایا، تیرا بُرا ہو اس قدر جلد بازی نہ کر، اس کے بعد صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور آبدیدہ ہو کر فرمایا: "ہائے عمر کی بدبختی، اس نے مسلمانوں کے کتنے بچوں کو ہلاک کیا!" اس کے بعد فوراً اپنے منادی سے اعلان کرا دیا۔ کہ لوگ اپنے بچوں کے دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کریں۔ اب ہر بچہ کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے۔[۱]

۱؎ الفاروق عمر جلد دوم صفحہ ۲۱۵

(۳) ایک روز حضرت عمرؓ شب میں گشت کرتے ہوئے کسی جگہ پہنچے۔ دیکھا کہ ایک ہانڈی آگ پر رکھی ہوئی ہے۔ ایک عورت پاس بیٹھی ہے اور اس کے بچے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عورت سے دریافت کیا، یہ بچے رو کیوں رہے ہیں؟ اور یہ آگ پر کیا چیز ہے؟ اُس نے جواب دیا یہ بھوکے ہیں اور میں نے انکو بہلانے کے لئے آگ پر پانی رکھ دیا ہے کہ یہ بہل کر سو جائیں۔ میرے اور عمرؓ کے درمیان اللہ فیصلہ کریگا۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر فوراً بھاگے ہوئے بیت المال پہنچے۔ وہاں سے آٹے کی بوری پیٹھ پر لادی اور اس کو لے کر اس عورت کے پاس پہنچے۔ خود بیٹھ کر آگ پھونکی۔ جب کھانا تیار ہو گیا اور بچے کھا پی کر سو گئے۔ تب وہاں سے لوٹے اور بار بار یہ فقرہ تاثر کے ساتھ دُہراتے رہے کہ "یہ بچے بھوک سے رو رہے تھے اور بھوک کے سبب سے جاگ رہے تھے"۔[۱]

**عمّال کا احتساب** اسلامی نظام میں احتساب یعنی اپنے ماتحتوں کے کاموں کی بے رُو رعایت نگرانی اور ان کی کوتاہیوں اور زیادتیوں پر مواخذہ ان فرائض میں سے ہے جن سے غفلت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق قرار پاتا ہے، کیونکہ اس چیز میں کوتاہی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ پورے نظام میں فساد پھیل جائے اور بالآخر ایک دن پورا نظام درہم برہم ہو کے رہ جائے۔

حضرت عمرؓ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی عامل کو اس عہدہ پر مقرر کرنے سے پہلے اس کی مالی حالت کا اچھی طرح اندازہ کر لیتے۔ اس کے بعد وہ اس بات کی نگرانی کرتے کہ اس عہدہ کے دَوران میں اس کی آمدنی کے اضافہ کا کیا حال رہا ہے۔ اگر یہ اضافہ اس کی سابقہ آمدنی اور اس کے عہدہ کی آمدنی کے تناسب سے ہوتا تو اس سے تعرض نہ فرماتے۔ لیکن اگر ان کو اس میں کوئی غیر معمولی فرق محسوس ہوتا تو فوراً تحقیقات شروع کر دیتے اور اگر تحقیقات سے خیانت ثابت ہوتی تو اس کی آمدنی تقسیم کرا لیتے اور فرماتے کہ ہم نے تم کو والی بنا کر بھیجا ہے۔ تاجر بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

مصر کے گورنر عمرو بن عاص کے متعلق حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے بہت سامان بہت اکٹھا کر لیا ہے یہ معلوم ہوتے ہی فوراً انکو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس سامان، غلام، برتن، مویشی اور اس

---

[۱] الفاروق عمر جلد دوم صفحہ ۲۱۶۔

قسم کی دوسری چیزیں بہت جمع ہوگئی ہیں۔ حالانکہ تم مصر کے گورنر مقرر کئے گئے تھے۔ تو ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی تمہارے پاس موجود نہ تھی"۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا کہ "یہ زراعت اور تجارت کا ملک ہے اس وجہ سے ہم کو ہماری ضرورت سے زیادہ مل جایا کرتا ہے اور ہم آسانی کے ساتھ پس انداز کر لیتے ہیں" حضرت عمرؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ "میں برے عاملوں کا کافی تجربہ رکھتا ہوں، تمہارا خط بتاتا ہے کہ تمہارے اوپر جو گرفت کی گئی ہے اس سے تمہیں بڑی تکلیف پہنچی ہے اور مجھ کو تمہارے بارہ میں بدگمانی ہے اس وجہ سے محمد بن مسلمہ کو بھیج رہا ہوں کہ وہ تمہارا مال تقسیم کرلیں۔ یہ تم سے جو تفصیل طلب کریں اس سے ان کو باخبر کرو۔ اور جس چیز کا مطالبہ کریں۔ ان کے سامنے پیش کرو، اور اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو سختی ہو اس کو معاف کرو"۔[1]

حضرت خالد جیسے سپہ سالار کے متعلق جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم بطور انعام دیئے ہیں تو انہوں نے فوراً ابو عبیدہ کو لکھا کہ وہ خالد کے پاس جا کر ان کو خود ان کی پگڑی میں باندھ لیں اور ان کی ٹوپی اتار لیں اور دریافت کریں کہ انہوں نے اشعث کو جو رقم دی ہے، مال غنیمت میں سے دی ہے یا اپنی جیب سے دی ہے؟ اگر وہ اقرار کریں کہ سرکاری مال سے دی ہے تو یہ خیانت ہے اور اگر کہیں کہ اپنے پاس سے دی ہے تو یہ اسراف ہے اور ان دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے مستحق ہیں۔ اس وجہ سے ان کو معزول کر دیں۔

اہل حق کے ساتھ نرمی اور اہل باطل کے ساتھ سختی

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! میں تمہارے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا ہوں تو سُن رکھو کہ میری طبیعت کی مشہور سختی اور زیادہ بڑھ گئی ہے لیکن اب وہ ظالموں اور مسلمانوں (لوگوں) پر زیادتی کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ باقی رہے وہ لوگ جو سلامت روی، دینداری اور میانہ روی کی زندگی بسر کریں گے تو میں ان کے لئے اس سے بھی زیادہ نرم ہونگا، جتنے وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے ہو سکتے ہیں۔ میں کسی شخص کو دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کا موقع نہ دونگا۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی جسارت کریگا تو میں اس کا ایک گال زمین پر رکھوں

---

[1] الفاروق عمر جلد دوم ص۱۹۵

گا۔ اور اس کا دوسرا گال اپنے پاؤں کے نیچے دباؤں گا۔ یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھک جائے۔ اور اس تمام سختی اور سخت گیری کے باوجود میں اہل دیانت کے لئے خود اپنا گال ہمیشہ زمین پر رکھوں گا۔"[1]

**کفاف پر قناعت** | اسلامی حکومت میں بڑی بڑی تنخواہوں، بھاری بھاری الاؤنسوں، چالیس چالیس ہزار روپے کی قیمت کے فرنیچر سے آراستہ کوٹھیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی حکومت کے ہر کارکن کو بالعموم اور اونچے درجہ کے کارکنوں کو بالخصوص اپنے آپ کو عوام کی سطح سے قریب تر رکھنا چاہیئے تاکہ لوگ ان کو نمونہ بنائیں اور سوسائٹی کے اندر اسراف، نمائش، گھمنڈ اور حق تلفی کی بیماری اور تنافس دنیا کی وبا نہ پھیلنے پائے۔ حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو پہلے تو وہ بیت المال سے سرے سے تنخواہ لینے ہی پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ لیکن بڑی ردّ وقدح کے بعد جب راضی ہوئے تو انہوں نے پہلے مسلمانوں سے دریافت کیا کہ ان کے لئے بیت المال سے اپنے مصارف کے لئے کتنی رقم لینی جائز ہے۔" حضرت ابوبکرؓ کو اس سوال کا جو جواب حضرت عمرؓ نے دیا اور جس پر تمام صحابہ نے اتفاق کیا یہ ہے:۔

"فقال عمر انا والله اخبرك ما لك منه، اما ما كان لك من ولد قد بان عنك فذلك امرہ ضمه كرجل من المسلمين، واما ما كان من عيالك وضعفة اهلك فتقوت منه بالمعروف و قوت اهلك. فقال يا عمر! اني لاخشى ان لا يحل لي ان اطعم عيالي من فئ المسلمين

حضرت عمرؓ بولے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کے لئے بیت المال سے کس قدر لینا جائز ہے۔ آپ کی اولاد میں سے جو آپ سے الگ ہو چکے ہیں، اور اپنے حالات کے خود ذمہ دار بن چکے ہیں ان کے لئے تو بیت المال سے اسی طرح ایک مقرر حصّہ ہے جس طرح ہر مسلمان کے لئے ہے۔ باقی جو بچے آپ کے چھوٹے ہیں اور جو متعلقین اپنی ذمہ داری اٹھانے سے قاصر ہیں تو ان کی اور اپنے اہل کی کفالت دستور کے مطابق آپ بیت المال سے کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، عمر! مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کے فئے سے

---

[1] الفاروق عمر جلد اول ص ۹۶۔

فقال عمر یا خلیفة رسول الله! انك قد شغلت بهذا الامر عن ان تکسب لعیالك[1]

"میرے لئے اپنے اہل و عیال کی پرورش جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اے خلیفہ رسول اللہ، اب آپ کا سارا وقت اس ذمہ داری نے سونت لیا ہے اور اپنے بچوں کی معاش کے لئے اب کوئی وقت آپ نہیں نکال سکتے۔"

حضرت ابوبکرؓ صدیق دو سال کچھ مہینے خلیفہ رہے۔ اس دوران میں بیت المال سے انہوں نے جو رقم اپنی ضروریات پر خرچ کی حساب کیا گیا تو وہ آٹھ ہزار درہم نکلی جس کے ہمارے حساب سے کم و بیش دو ہزار روپے ہوئے یعنی انہوں نے اپنی ضروریات پر سو روپے ماہوار سے بھی بہت کم خرچ کئے۔ اور یہ جو کچھ خرچ کیا، وہ بھی ان کی وفات کے بعد ان کی وصیّت کے مطابق بیت المال کو واپس کر دیا گیا۔

"ثم قال لهم انظروا ما ذا انفقت من بیت المال، فنظروا، فاذا هو ثمانیة الاف درهم فاوصی اهله ان یؤدوها الی الخلیفة بعده[2]

"پھر انہوں (حضرت ابوبکرؓ) نے لوگوں سے کہا معلوم کرو میں نے اپنے دوران خلافت میں اپنی ضروریات پر بیت المال سے کیا خرچ کیا ہے؟ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ کل آٹھ ہزار درہم۔ انہوں نے اپنے وارثوں کو وصیّت کی کہ ان کے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ رقم ادا کر دی جائے۔"

حضرت عمرؓ بیت المال سے اپنا جو حق سمجھتے تھے، اس کا اظہار انہوں نے خود ان الفاظ میں فرمایا تھا:

"انا اخبرکم بما استحل منه، یحل لی حلتان، حلة فی الشتاء وحلة فی القیظ، وما احج علیه واعتمر من الظهر وقوتی وقوت

"میں بیت المال میں سے اپنی ضروریات کیلئے جو کچھ جائز سمجھتا ہوں، ایک جوڑا کپڑا جاڑوں میں اور ایک جوڑا گرمیوں میں یعنی دو جوڑے سال بھر میں، اور حج اور عمرہ کے لئے ایک سواری، اور اپنی اور اپنے اہل کی معاش

[1] الامامة والسیاسة لابن قتیبہ جلد اول صـ۱۸

[2] الامامة والسیاسة لابن قتیبہ جلد اوّل صـ۱۹

أهلي كقوت رجل من قريش،
ليس بأغناهم ولا بأفقرهم۔
ثم أنا بعد رجل من المسلمين
يصيبني ما أصابهم

قریش کے ایک متوسط درجہ کے آدمی کے برابر جو نہ امیر ہو نہ غریب۔ اس کے بعد میں مسلمانوں کی جماعت کا ایک عام آدمی ہوں۔ بیت المال سے جس طرح سب کو حصہ ملے گا اسی طرح جو کچھ میرا حصہ ہے۔ وہ مجھ کو ملے گا۔"

بیت المال کی شرعی حیثیت ان کے نزدیک جو کچھ تھی اور اس حیثیت کے لحاظ سے انہوں نے اپنے آپ کو ذاتی ضروریات کے لئے اس میں جس حد تک تصرف کا مجاز سمجھا تھا، اس کو بھی واضح فرما دیا تھا تاکہ کسی کو یہ خیال نہ گزرے کہ ان کا یہ طرز عمل محض احتیاط اور تقوے کا نتیجہ ہے، اس کی کوئی فقہی بنیاد نہیں ہے۔ ان کے نزدیک بیت المال کی حیثیت یتیم کے مال کی اور امیر کی حیثیت اس کے متولی کی تھی یتیم کے مال کے اندر اس کے ولی کا حق، از روئے قرآن، صرف اس قدر ہے کہ اگر وہ محتاج ہو تو اپنا کفاف اس میں سے دستور کے مطابق لے لے اور اگر مستغنی ہو تو حتی الامکان اس سے اپنا دامن بچائے حضرت عمرؓ نے اس کی تصریح ان الفاظ میں فرمائی :-

إنّي أنزلتُ مال الله منّي بمنزلة
مال اليتيم، فإن استغنيتُ
عففتُ عنه وإن افتقرتُ
أكلتُ بالمعروف۔

میں نے اپنے لئے اللہ کے اس مال کو یتیم کے مال کے درجہ پر رکھا ہے۔ اگر میں اس سے مستغنی ہوں گا تو اس کے لینے سے احتراز کروں گا۔ اور اگر حاجتمند ہوں گا تو دستور کے مطابق اس سے اپنی ضرورتیں پوری کروں گا۔

اس شرعی نقطۂ نظر کی وجہ سے بیت المال کے معاملہ میں ان کی احتیاط تشدد کی حد تک پہنچ گئی تھی، ایک مرتبہ وہ بیمار ہوئے اور ان کو شہد کی ضرورت پیش آئی۔ بیت المال میں شہد موجود تھا، لیکن انہوں نے از خود لینا گوارا نہ کیا۔ بالآخر جب بہت مجبور ہوئے تو اس کے لئے مسلمانوں سے اجازت طلب کی اور فرمایا کہ لوگ اگر اجازت دیں تو خیر ورنہ میرے لئے یہ حرام ہے۔

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ بیت المال کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کی احتیاط تشدد کی حد تک پہنچ گئی ہے، اور وہ اپنے واجبی حق سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں تو ان کا ایک وفد امیر المؤمنین حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین نے بیت المال کے معاملہ میں اپنے اوپر غیر معمولی احتیاط لازم کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اب آمدنی میں کافی گنجائش پیدا کر دی ہے ان کو حق ہے کہ اس مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق جسقدر چاہیں لیں، تمام مسلمان پورے شوق کے ساتھ ان کو اس بات کے لئے اجازت دیتے ہیں۔ آپ ہماری طرف سے ان کی خدمت میں ہماری یہ خواہش پہنچا دیجئے۔ حضرت عمرؓ تشریف لائے تو حضرت حفصہؓ نے ان سے لوگوں کی اس خواہش کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| "یا حفصہ بنت عمر! نصحت قومك وغششت اباك، انما حق اهلي في نفسي و مالي فاما في ديني و امانتي فلا[1] | اے عمر کی بیٹی حفصہ! تو نے اپنی قوم کے ساتھ تو خیرخواہی کی لیکن اپنے باپ کے ساتھ بدخواہی، میرے اہل و عیال کا حق میرے جان اور مال میں ہے، باقی میرے دین اور میری امانت کے اندر انہیں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔" |

حضرت علیؓ بیت المال کے معاملات میں جس غیر معمولی احتیاط سے کام لیتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ معاویہؓ کے مقابلہ میں ان کی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ معاویہ نے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے بیت المال کا روپیہ پانی کی طرح بہانا شروع کر دیا تھا اور حضرت علیؓ کا حال یہ تھا کہ وہ بیت المال کا ایک پیسہ بھی بغیر صحیح شرعی مصرف کے خرچ کرنے کے لئے تیار نہ تھے، نہ اپنی ذات پر، نہ اپنے عزیزوں پر، نہ دوسروں پر۔

| | |
|---|---|
| ولم يكن يستأثر من الفئ بشئ | فے کے مال میں سے بیجا طور پر نہ خود ایک پیسہ لیتے تھے |
| ولا يخص به حميما ولا قريبا[2] | اور نہ کسی دوست اور رشتہ دار کو دیتے تھے، |

[1] "الفاروق عمر" تالیف محمد حسین ہیکل جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ [2] الاستیعاب لابن البر جلد ۲ صفحہ ۴۶۴

حریفِ مقابل کی زر پاشیوں کے خطرناک نتائج ان کے سامنے برابر آتے رہے۔ لیکن وہ اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ کہ خدا کے مال میں اپنے حدود سے ہٹ کر کسی قسم کا تصرف کریں اگرچہ اس کے نتیجہ میں دنیا طلبوں کی ہمدردیوں سے ان کو یک قلم محروم ہی ہو جانا پڑے۔ اپنی ذات کے معاملہ میں وہ جسقدر محتاط تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے کل سات سو درہم چھوڑے تھے جو ایک خادم خریدنے کے لئے اپنی تنخواہ سے پس انداز کئے تھے۔[۱]

حضرت عمر بن عبد العزیز کا یہ حال تھا کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو پہلے اپنی بیوی فاطمہ کے پاس پہنچے جو عبد الملک کی بیٹی تھیں۔ ان کو آواز دی، وہ حاضر ہوئیں تو ان کو دیکھ کر بہت روئے۔ اس کے بعد اُن سے فرمایا کہ اب یا تو مجھے اختیار کرو یا اس قیمتی جوڑے کو جو تمہارے باپ عبد الملک نے ایک لاکھ "دینار" خرچ کر کے بنوایا تھا۔ اگر تم نے مجھے اختیار کیا تو میں اس جوڑے کو بیت المال میں داخل کر دوں گا۔ اور اگر تم نے جوڑے کو اختیار کیا تو بس تم میری بیوی نہیں اور میں تمہارا شوہر نہیں۔ وہ بولیں، امیر المومنین، معاذاللہ میں آپ کو کھو کر کپڑے کا جوڑا لے کر کیا کروں گی، آپ اس کو جو چاہیں کریں، میں نے اس کے بارہ میں آپ کو پورا اختیار دیا۔

اسی دوران میں ان کا ایک بچہ پاس سے گذرا جس کا کرتہ پھٹ چلا تھا، اس سے فرمایا بیٹے اس میں پیوند لگوا لو۔ آج سے زیادہ تم اس کے محتاج کبھی نہیں تھے۔[۲]

اسلامی حکومت اپنے ملازمین اور کارکنوں کی تنخواہیں مقرر کرنے میں ان کی جن ضروریات کو پیش نظر رکھے گی، ان کی تشریح خود حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرما دی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے :-

| | |
|---|---|
| من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجۃ | جو ہمارا (حکومت کا) ملازم ہو۔ اگر اس نے شادی نہ کی ہو۔ تو |
| فان لم یکن لہ خادم فلیکتسب خادماً | شادی کر لے، اور اگر اس کے پاس کوئی خادم نہ ہو تو ایک |
| وان لم یکن لہ مسکنا فلیکتسب | خادم رکھ لے، اور اگر اس کے پاس مکان نہ ہو تو ایک |

[۱] الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ص ۱۳۶۔ [۲] الامامۃ والسیاسۃ جلد ۲ ص ۹۵۔

مسکنا. من اتخذ غیر ذلک فھو غال او سارق (شک من الراوی)

(ابو داؤد، کتاب الخراج والفئ والامارۃ)

مکان بنوا لے۔ جو اس حد سے آگے بڑھے وہ خائن ہے یا چور (راوی کو اس بارہ میں شک ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے آپ نے کونسا لفظ فرمایا)۔

یہ حدیث چھوٹے اور بڑے تمام ملازمین پر حاوی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کے ملازمین اس کے ملازم ہونے کی حیثیت میں سب یکساں ہیں۔ اور حکومت یکساں طور پر ان کی ابتدائی ضروریات فراہم کرنے کے لئے ذمہ دار ہے۔ جہاں تک ذاتی ضروریات کا تعلق ہے، اسلامی نظام میں ایک امیر، ایک گورنر اور ایک چپڑاسی کی ضروریات میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں حکومت کے بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے کارکنوں کے لئے تنخواہوں کا معیار وہی تھا جو اوپر والی حدیث میں بیان ہوا ہے جس طرح تقسیمِ غنیمت کے وقت ایک معمولی سپاہی اور فوج کے سپہ سالار میں فرق نہیں کیا جاتا تھا اسی طرح تنخواہوں کے معاملہ میں ایک گورنر اور ایک تحصیلدار میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ بڑے عہدیداروں اور چھوٹے اہلکاروں دونوں کے لئے ایک ہی معیار تھا اور اس معیار کے تعین میں فیصلہ کن چیز ان کی ضرورت تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں بلاشبہ بعض واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی بعض اعلیٰ عہدیداروں کو بیش قرار تنخواہیں دی گئی ہیں۔ لیکن وقت کے عام اصول کے خلاف اس قسم کے بعض شاذ واقعات جو ملتے ہیں میں سمجھتا ہوں، ان کے نقل کرنے میں راویوں کو دھوکا ہوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس عہد میں مسلمانوں کو سرکاری خزانہ سے وظیفے بھی ملتے تھے اور اس میں سرکاری ملازمین اور عام مسلمان سب شریک تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ روایت کرنے میں بعض لوگوں کے وظائف کو غلط فہمی سے ان کی تنخواہوں کے ساتھ شمار کر لیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ رقم ایک خطیر رقم بن گئی ہے۔

وظائف کا ذکر زبانِ قلم پر آگیا ہے۔ تو ہر چند اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے لیکن صراحت مدعا کی خاطر ایک بات اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔ وظائف کے بارہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دستور یہ تھا۔ کہ فے کا جو مال ریاست کی ضروریات سے بچ رہتا، اس کو وہ عام مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیتے۔ کیونکہ اسلامی اصول

کے مطابق اس مال کے اصلی مالک عام مسلمان ہی تھے حضرت عمرؓ نے اس مساویانہ تقسیم پر ایک دو بار اعتراض کیا، ان کا خیال تھا کہ لوگوں کی دینی و اسلامی خدمات اور ان کے شرف تقدم کی بنا پر اس میں فرق کیا جانا چاہئیے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کے اس نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ خدمتِ دین اور قبول اسلام میں سبقت وغیرہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ وہ آخرت میں ہر ایک کو اس کا اجر دیگا۔ اور اس مال کا تعلق معیشتِ دنیا سے ہے، ہم ایک ایسی چیز کی بنا پر جس کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیاوی سامانِ معیشت کی تقسیم میں فرق کیوں کریں؟۔

جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اپنے اجتہاد کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کے اس مساویانہ تقسیم کے طریقہ کو بدل دیا اور وظائف کی تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل اصول قائم کئے:۔

| | |
|---|---|
| "الرجل وخدمتہ، الرجل وبلائہ، الرجل وعیالہ، الرجل وحاجتہ" | آدمی اور اسلام میں اس کا تقدم، آدمی اور اس کی خدمات دینی، آدمی اور اس کے اہل وعیال، آدمی اور اس کی ضروریات۔ |

(ابوداؤد، کتاب الخراج والفئی والامارۃ)

لیکن اپنی وفات سے کچھ دن پہلے حضرت عمرؓ نے یہ رائے ظاہر فرمائی تھی۔ کہ اگر میں زندہ رہا تو وظائف کی تقسیم میں سب کو برابر کر دونگا۔ مگر قبل اس کے کہ عملاً اس کو نافذ کر سکیں انہوں نے شہادت پائی اور ان کا یہ ارادہ عملی شکل نہ اختیار کر سکا۔ تاہم اس سے یہ معلوم ہوگیا۔ کہ جہاں تک مالِ فے کی تقسیم کا تعلق ہے۔ اس کے بارہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ دونوں بزرگوں کی آخری رائے یہی تھی کہ اس کو تمام مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم ہونا چاہیئے۔ یہی مذہب حضرت علیؓ کا بھی تھا اور انہوں نے اپنے زمانہ میں اس پر عمل کیا[1]

لیکن موجودہ زمانہ میں وظائف کے اس عام طریقہ کا سوال خارج از بحث ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ طریقہ جو اختیار کیا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں مسلسل فتوحات کے سبب سے بے حساب مال بیت المال میں آتا تھا اور ریاست کی ضروریات بہت سادہ اور مختصر تھیں۔ اس زمانہ میں ایک متمدن

---

[1] کتاب الاستیعاب لابن عبدالبر جلد ۲ ص ۴۶۴۔

ریاست کی ضروریات بھی نسبتاً بہت وسیع ہیں اور فتوحات کا دائرہ بھی لازماً بہت محدود ہوگا۔ نیز اس زمانہ میں رفاہ عام کے بے شمار ایسے کام پیدا ہوگئے ہیں جن پر ایک ریاست بیت المال کا روپیہ خرچ کر کے اس سے کہیں زیادہ فائدہ باشندگان ملک کو پہنچا سکتی ہے جتنا انفرادی وظائف کی شکل میں متصور ہے

**سرکاری مال کی حفاظت**

اسلامی حکومت کے کارکنوں کو سرکاری مال کی جس طرح حفاظت کرنی چاہیئے اس کی مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قائم کردی ہے۔ اور یہ مثال شائد دنیا کی تاریخ میں بس اپنی نظیر آپ ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ بھاگے ہوئے مدینہ سے باہر چلے جارہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا۔ امیرالمومنین، اس دھوپ میں کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ فرمایا، بیت المال کا ایک اونٹ کھوگیا ہے اس کو ڈھونڈھنے جارہا ہوں۔ حضرت علیؓ نے یہ سنا تو فرمایا:۔

قد تعبت الخلفاء بعدك — آپ نے اپنے بعد آنے والوں کو تھکا دیا۔

یعنی اگر معیار خدمت و امانت یہ ہے تو کون ہے جو آپکا مقابلہ کرسکے گا اور آپ کے بعد کانٹوں کا یہ تاج پہننے کی کون ہمت کریگا؟[1]

**امیر و مامور میں مساوات**

اسلامی نظام کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام اس امر کو ایک لمحہ کے لئے بھی جائز قرار نہیں دیتا کہ جن لوگوں کو کسی درجہ میں بھی مسلمانوں کی سرداری سونپی جائے، وہ دوسروں پر اپنا تفوق جتائیں اور روزمرہ کی زندگی میں ان کے اوپر اپنے لئے امتیاز اور ترجیح کی نمائش کریں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، اور عمر بن عبدالعزیز نے جو تصریحات فرمائی ہیں وہ ہم مختلف عنوانات

---

۱؎ مجھے یاد آتا ہے کہ شائد اسی موقعہ پر یا اسی قسم کے کسی اور موقع پر حضرت عمر فاروق رضؓ کو دیکھا گیا کہ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں پسینہ میں تر اور بیت المال کے اونٹ ہانکتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے عرض کیا، امیر المومنین میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ یہ تکلیف کیوں فرماتے ہیں، آپ سایہ میں آجائیے، میرے یہ غلام اونٹ پہنچا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا، آپ لوگ سایہ میں آرام کیجئے، یہ بوجھ اسی کے اٹھانے کا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو ڈالا ہے۔

کے تحت نقل کر آئے ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں ہم بعض ایسے واقعات نقل کرتے ہیں جن سے ایک اسلامی حکومت کا عام ماحول نگاہوں کے سامنے آئے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جب کسی نظام کی بنیاد فی الواقع خدائے وحدہٗ لاشریک کی حاکمیت پر قائم کی جاتی ہے تو اس کے ہر گوشہ میں عدل اور مساوات کی کیسی نورانیت پھیل جاتی ہے اور وہ طبقہ اس کے اندر سے کس طرح مٹ جاتا ہے جو زیردستوں پر خدائی کرنے کا آرزومند ہوتا ہے۔

"فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک جگہ مقامی باشندوں نے سپہ سالار فوج حضرت ابو عبیدہ کی خدمت میں کوئی خاص کھانا بطور تحفہ بھیجا، اور یہ کہلایا کہ یہ خاص آپ کے لئے ہدیہ ہے۔ انہوں نے دریافت کیا، کیا تم نے اس قسم کی ضیافت فوج کی بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ یہ سن کر انہوں نے ان کی ضیافت قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا:-

| | |
|---|---|
| لاحاجة لنا فیه، بئس المرء ابو عبیدۃ | ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ بے ابو عبیدہ سے زیادہ بُرا |
| ان صحب قوماً من بلادھم و | آدمی کون ہو سکتا ہے جو اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر |
| اھراقوا دماءھم دونه اولم | آئے اور وہ اس کے حکم پر اپنا خون بہائیں اور جب مال |
| یھم یقوھا، فاستأثر علیھم بشیئ یصیبه | غنیمت ہاتھ آئے تو وہ کسی چیز میں ان کے اوپر اپنے |
| لا، واللہ، لایا کل مما افاء اللہ | آپ کو ترجیح دے۔ نہیں، خدا کی قسم، یہ بندہ خدا |
| علیھم الامثل ما یاکل | کے اس بخشے ہوئے مال میں سے صرف وہی کھائے گا |
| اوساطھم[1] | جو دوسرے لوگ کھائیں گے۔" |

مصر میں عمرو بن عاص سے صلح کی بات چیت کے لئے مقوقس نے اپنے سفیر بھیجے۔ جب سفیر واپس آئے تو مقوقس نے ان سے اسلامی فوج کا حال پوچھا۔ رئیس سفارت نے اس کے جواب میں اسلامی فوج کی یہ تصویر کھینچی:-

| | |
|---|---|
| "لیس لاحدٍ منھم فی الدنیا | اُن میں سے کسی کے دل میں دنیا کی کوئی طلب اور |

[1] "الفاروق عمرؓ" تالیف محمد حسین ہیکل جلد ۲ ص ۱۱۲۔

| | |
|---|---|
| رغبةٌ ولا نهمةٌ وانما جلوسهم | حرص نہیں ہے، وہ زمین پر بیٹھتے ہیں، زمین پر کھانا |
| علی التراب واکلهم علی رکبهم | کھاتے ہیں۔ ان کا امیر انہی کے برابر کا ایک آدمی معلوم ہوتا |
| امیرهم کانه واحدٌ منهم، ما یعرف | ہے۔ ان کے درمیان شریف اور رذیل اور آقا اور غلام |
| رفیعهم من وضیعهم ولا السیّد من | کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو |
| العبد واذا حضرت الصلوٰة لم | مجال نہیں کہ کوئی غیر حاضر ہو۔ پانی سے ہاتھ منہ دھوتے |
| یستخلف عنها فیهم احدٌ، یغسلون | ہیں اور نہایت خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں: |
| اطرافهم بالماء ویخشعون فی صلوٰتهم | |

مقوقس نے یہ تقریر سن کر کہا، اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ اس قسم کے لوگ اگر پہاڑوں پر بھی حملہ کر دیں گے تو ان کو بھی ان کی جگہ سے سرکا دیں گے، دنیا کی کوئی قوم بھی ایسے لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی [1]

**ریاست کی بِلّٰہ و فِی اللّٰہ خدمت** اسلامی ریاست کی خدمت ایک عبادت ہے۔ اور یہ عبادت خدا کے ہاں مقبول نہیں ہو سکتی جب تک حصولِ اقتدار اور ہوسِ شہرت کی آلودگیوں اور ایک دوسرے کو گرانے اور پچھاڑنے کی خواہشوں اور کشمکشوں سے بالکل پاک نہ ہو۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ حضرت خالدؓ دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کو امیر المومنین کا حکم نامہ پہنچا کہ خالد کو معزول کر کے فوج کی قیادت تم سنبھالو لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس بات کو راز رکھا۔ یہاں تک کہ دمشق فتح ہو گیا اور اس حکم نامہ کو آئے ہوئے پورے بیس دن گزر گئے۔ اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو اطلاع دی تو روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ جس وقت یہ حکم نامہ آیا، آپ نے اس کی اطلاع مجھے اسی وقت کیوں نہ دی؟" حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| انّی کرهتُ ان اکسر علیك حربك | میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ آپ کی جنگ میں رخنہ |
| وما سلطان الدنیا ارید، ولا للدنیا | پیدا کروں میں نہ تو دنیا کا اقتدار چاہتا ہوں اور نہ دنیا کے لئے |

[1] "الفاروق عمرؓ" تالیف محمد حسین ہیکل جلد ۲ ص ۱۱۳۔

اعمل وما تری سیصیر الی زوال
والانقطاع وانما نحن اخوان وما یضر
الرجل ان یلیہ اخوہ فی دینہ
ودنیاہ

کام کرتا تھا، یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، سب فانی ہے
اور پھر ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور ایک بھائی کے
دین یا اس کی دنیا کو اس بات سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے
کہ اس کا دوسرا بھائی اس پر حاکم ہو!؟

اس کے ساتھ ساتھ اس خط کو بھی ملاحظہ فرمائیے جو حضرت خالدؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو اس وقت لکھا تھا جب حضرت ابوبکرؓ نے اس فوج کی قیادت حضرت خالدؓ کے سپرد کر دی تھی۔ جو شام میں حضرت ابو عبیدہؓ کی ماتحتی میں تھی۔ حضرت خالدؓ لکھتے ہیں:۔

"اتانی کتاب خلیفۃ رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم یأمرنی بالمسیر الی الشام
وبالمقام علی جندھا والتولی لامرھا
واللہ ما طلبت ذلک، ولا اردتہ،
ولا کتبت الیہ فیہ، انت رحمک
اللہ علی حالک التی کنت علیھا
لا یعصی امرک ولا یخالف رأیک و
لا یقطع امر دونک فانک سید من
سادات المسلمین، لا ینکر فضلک
ولا یستغنی عن رأیک تمم اللہ ما بنا
وبک من الاحسان ورحمنا وایاک
من عذاب النار[1]

میرے پاس خلیفۂ رسول اللہ کا حکم آیا ہے۔ کہ میں
شام جا کر وہاں کی فوج کی نگرانی اور اس کی قیادت
اپنے ہاتھ میں لے لوں۔ اللہ گواہ ہے کہ نہ میں نے اس
کے لئے کوئی درخواست کی اور نہ اس باب میں ان کو کوئی
خط لکھا۔ آپ اللہ آپ پر رحم فرمائے، بدستور اپنی جگہ پر
رہیں گے آپ کے کسی حکم یا رائے کی خلاف ورزی نہ ہوگی
اور نہ ہی بغیر آپ کے مشورے کے کوئی بات طے پائے
گی۔ آپ مسلمانوں کے سردار ہیں، نہ آپ کے مرتبہ کا انکار
ممکن ہے اور نہ آپ کی رائے سے بے نیاز ہوا جا سکتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر اور آپ کے اوپر اپنے احسان
کو کامل کرے، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچائے۔"

حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ دونوں حضرات ایک درجہ کے سپہ سالار تھے، اور دونوں صاحبوں

[1] "الفاروق عمرؓ" صفحہ ۱۳۰۔

کی عزت و سرفرازی کا میدان بھی بالکل ایک ہی تھا۔ اس وجہ سے ان کے درمیان رقابت کی کشمکش پیدا ہونے کے لئے نہایت زبردست محرکات موجود تھے اور بالخصوص وہ مواقع تو بڑے ہی فتنہ انگیز تھے، جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کا عزم لے کر اٹھے تھے۔ وہ نازک سے نازک آزمائشوں میں بھی اپنے اخلاصِ خدمت کو نفس کی آلائشوں سے ملوّث نہیں ہونے دیتے تھے۔

**ریاست کے خرچ پر اقربا نوازی سے احتراز۔** اسلامی ریاست کے کارکنوں کو جن باتوں سے احتراز کرنا چاہیئے ان میں سب سے مقدم ریاست کے خرچ پر اقربا نوازی ہے۔ اقربا نوازی وصلہ رحمی بنیادی نیکیوں میں شامل ہے۔ بلکہ اسلام میں توحید کے بعد سب سے بڑی نیکی یہی ہے۔ لیکن اس سے بڑی کوئی برائی بھی نہیں ہے اگر اس کو ریاست کے خرچ پر انجام دینے کی کوشش کیجائے اس معاملہ میں ذراسی اجتہادی غلطی حضرت عثمان غنیؓ جیسے پاکیزہ نفس خلیفہ راشد سے ہوگئی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس امت کا پورا شیرازہ درہم برہم ہوگیا، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اپنے بعد ہونیوالے خلیفہ کے انتخاب کے لئے جو مجلس شوریٰ بنائی، اُس کے ارکان کو سب سے پہلے جس بات کی ہدایت فرمائی وہ یہی تھی کہ ان میں سے جو شخص بھی خلیفہ بنایا جائے وہ اپنے اس اقتدار سے فائدہ اٹھا کر اپنے عزیزوں کو مسلمانوں کی گردن پر لادنے کی کوشش نہ کرے۔ ان کے اپنے الفاظ اس سلسلہ میں یہ ہیں :۔

| | |
|---|---|
| "انشدک اللہ یا علی ان ولّیت | میں اللہ کا واسطہ دیکر اے علی تم سے یہ کہتا ہوں کہ |
| من امور الناس شیئًا ان تحمل بنی | اگر مسلمانوں کے معاملہ کی کوئی ذمہ داری تم پر ڈالی جائے |
| ھاشم علیٰ رقاب الناس، | تو تم بنی ہاشم کو لوگوں کی گردن پر لادنے کی کوشش نہ کرنا |
| انشدک اللہ یا عثمان ان ولّیت | اور میں اللہ کا واسطہ دیکر اے عثمان تم سے یہ کہتا ہوں |
| من امور الناس شیئًا ان تحمل | کہ اگر مسلمانوں کے معاملات کی کوئی ذمہ داری تم پر |
| بنی معیط علیٰ رقاب الناس، | ڈالی جائے تو تم بنی معیط کو لوگوں کی گردن پر لادنے |
| انشدک اللہ یا سعد ان | کی کوشش نہ کرنا۔ اور میں اللہ کا واسطہ دیکر اے |
| ولّیت من امور الناس شیئًا | سعد تم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کے معاملات |

ان تحمل اقاربک علی (کہ کوئی ذمہ داری تم پر ڈالی جائے تو تم اپنے قرابتداروں) رقاب الناس (کو لوگوں کی گردنوں پر لادنے کی کوشش نہ کرنا)

حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد خود اپنے خاندان کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ اس سلسلہ میں احتیاط کی بہترین مثال ہے۔ انہوں نے وظائف کی تقسیم کے لئے جب دفتر قائم کئے تو باوجودیکہ لوگوں کا عام اصرار یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے لوگوں کو سرِ فہرست رکھیں لیکن انہوں نے خاندانِ رسالت کو مرکز قرار دے کر دوسروں کو مقدم رکھا اور اپنے خاندان کے لوگوں کو سب سے پیچھے ڈال دیا۔ جب حضرت عمرؓ کے خاندان (بنی عدی) کو اُن کے فیصلہ کا پتہ چلا تو ایک وفد کی صورت میں وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے درخواست کی کہ قوم نے ان کو جو جگہ دی ہے، وظائف کی فہرست میں وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خاندان کو اسی جگہ رکھیں۔ حضرت عمرؓ نے اہل وفد کی یہ تقریر سُنی تو ان کو نہایت غضب آلود نگاہوں سے دیکھا اور بولے "بنی عدی! چلو پرے ہٹو! تم میرے بل پر کھانا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر اپنی نیکیاں برباد کروں! نہیں، خدا کی قسم، جب تک تمہاری پکار نہ ہو تم ہرگز نہ آنا، میرے اس دفتر میں سب سے پیچھے تمہارے نام ہونگے، مجھ سے پہلے میرے دو پیشرو اس راہ پر چل چکے ہیں۔ اگر میں اِن کے خلاف روش اختیار کروں گا تو میری راہ ٹیڑھی ہو جائے گی۔ خدا کی قسم، میں نے دُنیا میں جو عزت پائی ہے اور آخرت میں جس اجر کا امیدوار ہوں وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے شرف ہیں اور وہ تمام عرب میں سب سے اشرف ہیں۔ اس کے بعد "الاقرب فالاقرب" کا لحاظ ہوگا۔ یعنی جو لوگ جس درجہ میں آنحضرت سے جتنے قریب ہوں گے، اسی اعتبار سے ان کے حقوق ہونگے۔

اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مختلف مواقع پر حضرت عمرؓ نے جو معاملہ کیا، ایک عام آدمی تو اس کو صریح حق تلفی پر محمول کرے گا لیکن اسلام ناجائز اقرباپروری کا جس شدت کے ساتھ قلع قمع کرنا چاہتا ہے اس کا تقاضا یہی تھا کہ اس معاملہ میں وہ بھی متشددانہ رویہ اختیار کریں۔ تاکہ ان کا عمل دوسروں کے لئے نمونہ کا کام دے۔

وفات کے وقت ایک شخص نے آکر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علم و تقویٰ کی تعریف کرنے کے بعد کہا کہ اپنے بعد انکو خلیفہ بنا دیجئے حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ تمہارا بُرا ہو تم نے یہ بات اچھی نیت سے نہیں کہی۔ میں ایک ایسے شخص کو کیسے خلیفہ بنا سکتا ہوں جو اپنی بیوی کو طلاق بھی ٹھیک طور سے نہیں دے سکتا! اب ہم کو تمہارے مسلمانوں کے معاملات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ چیز (امارت) اچھی تھی تو ہم نے اس میں سے اپنا حصّہ پا لیا، اور اگر بُری تھی تو اللہ نے ہم کو اس سے ہٹا لیا۔ آلِ عمرؓ کے لئے یہ بس ہے کہ ان میں سے ایک آدمی سے اس کے بابت بھی سوال کیا جائے اور امتِ محمدیہ کے بارہ میں بھی اس سے باز پُرس ہو۔ میں نے اپنے آپ کو اس میں تھکا ڈالا، اور اپنے بیوی بچوں کو ان کے بہت سے حقوق سے محروم رکھا، تاہم اگر برابر برابر پر چھوٹ جاؤں ـــ نہ اس میں میرے لئے کوئی نفع ہو نہ نقصان ـــ تو میں اپنے تئیں خوش قسمت سمجھوں گا۔

جب لوگوں نے شدت کے ساتھ اصرار کیا کہ اپنے بعد اپنا کوئی جانشین نامزد کر دیجئے۔ تو فرمایا۔ میں اس چیز کا حقدار ان لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں سمجھتا۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے، اس کے بعد حضرت علی، عثمان، زبیر، طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے نام لئے اور فرمایا مشورہ کی حد تک عبداللہ بن عمرؓ ان لوگوں کے ساتھ شریک ہونگے لیکن خلافت میں انکا کوئی حصّہ نہیں ہوگا۔

مہاجرین اوّلین کے لئے حضرت عمرؓ نے چار چار ہزار درہم کے وظائف مقرر کئے۔ قاعدہ سے اسی زمرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی آتے تھے لیکن ان کا وظیفہ آپ نے صرف ساڑھے تین ہزار مقرر کیا جب سوال کیا گیا کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ کیوں کیا جا رہا ہے تو جواب دیا کہ ان کو ان کے باپ نے ہجرت کرائی تھی پھر وہ ان لوگوں کا درجہ کیسے پا سکتے ہیں جنہوں نے خود ہجرت کی۔

**پارٹی بازی سے احتراز**

اس زمانہ میں "پارٹی" کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے حکومت میں جو پارٹی برسر اقتدار آجاتی ہے۔ وہ نہ صرف تمام حقوق اپنے لئے خاص کر لیتی ہے۔ بلکہ اس کے ارکان کو ہر قسم کی بدعنوانیوں اور بے انصافیوں کیلئے چھوٹ بھی مل جایا کرتی ہے۔ پارٹی کے سر بڑے اور چھوٹے، پارٹی کے مفاد کو حق و باطل کا

معیار ٹھہرا لیتے ہیں۔ جو چیز ان کی پارٹی کے لئے مفید ہے وہ حق ہے اگرچہ عقلی و اخلاقی نقطۂ نظر سے وہ کتنی ہی غلط اور کتنی ہی باطل ہو۔ اور جو بات ان کی پارٹی کے مفاد کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ اگرچہ اس کے حق ہونے کی شہادت خدا، اس کے فرشتوں اور رسولوں سب نے دی ہو جس نظام میں پارٹی بازی کا یہ زہر پھیل جاتا ہے اس کی ہر چیز اس کے اثر سے اس طرح مسموم ہو جایا کرتی ہے کہ پھر اس کے کسی شعبہ کے لئے ممکن ہی نہیں رہ جاتا۔ کہ وہ اپنا طبعی وظیفہ ( Duties and Oblirations ) ایمانداری کے ساتھ انجام دے سکے۔ اس کا سارا نظم و نسق پارٹی کے مفاد کے محور کے گرد گھومنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا عدالتی نظام بھی سارے حالات کو پارٹی کے نقطۂ نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ اور پورا نظام اجتماعی اس فساد سے بالکل اسی طرح متاثر ہو جاتا ہے۔ جس طرح اس شخص کا نظام جسمانی جس کو باؤلے کتے نے کاٹ کھایا ہو۔ یہ عصبیت جاہلیت اسلام کے بالکل خلاف بلکہ اس کی عین ضد ہے اسلامی نظام زندگی میں حق و باطل کا معیار ان ساری چیزوں سے بالا اور برتر اللہ کی مرضی اور اس کی شریعت ہے۔ جو شخص اس چیز کے سوا کسی اور عصبیت و حمیت میں مبتلا ہو وہ خدا کے دین کو نہیں قائم کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ بہت سی قیمتی نصیحتوں کے ساتھ اس حقیقت کو بھی واضح فرما دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:۔

" اللہ کی شریعت کو قائم نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جو منافقت کرنے والا نہ ہو۔

اللہ کی شریعت کو قائم نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جو لنگوٹ پیٹ کو پسند کرنے والا نہ ہو۔

اللہ کی شریعت کو قائم نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جو لالچ میں پڑنے والا نہ ہو۔

اللہ کی شریعت کو قائم نہیں کر سکتا مگر وہ شخص کہ حق کے معاملہ میں اپنی پارٹی کی ناانصافی کو گوارا کرنے والا نہ ہو (ولا یکظم فی الحق علی حزبہ[1])"

اسی حقیقت کو ایک خطبہ میں نہایت واضح الفاظ میں یوں سمجھایا ہے:۔

ایک حاکم کو سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنی رعایا کے اندر جو چیز دیکھنی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اللہ کے جو حقوق و فرائض ان پر عائد ہوتے ہیں ان کو وہ ادا کر رہے ہیں یا نہیں۔ ہمارا فرض صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۹-۰-۔

چیز کا حکم دیا ہے۔ لوگوں کو اس چیز کا حکم دیں اور اس نے جس چیز سے روکا ہے۔ اس سے لوگوں کو روکیں اور قریب و بعید سب کے اندر صرف حق کو قائم کریں اور اس بات کی مطلق پروا نہ کریں۔ کہ حق کس کے خلاف جا رہا ہے[1]۔

**حاجب و دربان سے احتراز** اوپر مختلف عنوانات کے تحت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ وعیدیں نقل کر آئے ہیں، جو آپ نے ان حکّام کو سنائی ہیں جو اپنے اور رعایا کے درمیان دیواریں کھڑی کرتے ہیں اور ان کی ضروریات اور مشکلات کے سننے کے لئے اپنے دروازے کھلے نہیں رکھتے۔ یہاں ہم ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کی روایت امام احمد اور ترمذی نے کی ہے اور جو اس باب میں نہایت اہم ہے:-

| | |
|---|---|
| "عن عمرو بن مرۃ قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مامن امام اَوْ والٍ یغلق بابہ دون ذوی الحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ الا غلق اللہ ابواب السماء دون خلتہ وحاجتہ ومسکنتہ" | عمرو بن مرہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ نے فرمایا، کہ جو امیر یا والی ضرورتمندوں حاجت مندوں اور اہل فقر کے لئے اپنے دروازے بند رکھیگا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت، حاجت اور احتیاج کے دن اس کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دے گا۔ |

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نہایت واضح ارشاد کی بنا پر امام شافعی اور ایک جماعت کے نزدیک کسی حاکم کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ حاجب و دربان مقرر کرے۔ ایک دوسرے گروہ نے اگرچہ اس کی اجازت دی ہے لیکن انہوں نے بالعموم تین شرطیں لگائی ہیں:-

(۱) یہ کہ اس کا مقصد ذاتی آرام نہ ہو بلکہ اس سے لوگوں کی سہولت، وقت کی بچت اور کام میں ترتیب پیشِ نظر ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ ملاقات کے معاملہ میں اس اصول کا التزام ہو کہ جو پہلے آئے اس سے پہلے ملاقات کی جائے اور باہر سے آنے والوں کو مقامی ملنے والوں پر ترجیح دی جائے۔ ذاتی تعلقات، وجاہت، سفارش اور اس قسم کے امتیازات کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے۔

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۸۔

(۳) وہ بااعتماد، قابل اعتماد، پاکباز، خوش خلق، لوگوں کے مرتبہ کو پہچاننے والا ہو۔[۵۱]

| | |
|---|---|
| جھوٹی وکالت اور باطل حمایت سے احتراز۔ | اسلام میں جھوٹی وکالت اور باطل حمایت کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔ |

"من اعان علی خصومۃ بظلم فقد باء بغضب من اللہ (ابوداؤد)

جس نے کسی جھگڑے میں ظلم کے ساتھ مدد کی وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا۔"

کسی جھگڑے میں ظالم کی اعانت کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے۔ جو لوگ کسی ظالم کی اس طرح اعانت کریں گے وہ اللہ کے فضل کے مستحق ہونگے۔ مگر جو لوگ کسی جاہلی عصبیت اور شیطانی حمیت کے تحت یا محض کسی غرض ذاتی کے لئے اس کے ظلم میں شریک ہو جائیں گے۔ وہ اپنے زعم میں ممکن ہے یہ خیال کریں کہ وہ اپنے ایک بھائی کی حمایت میں ایک بڑا جہاد کر کے لوٹے ہیں لیکن وہ فی الحقیقت اللہ کا غضب لے کر لوٹیں گے۔

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ سخت وعید وارد ہے:۔

"من حدیث اوس بن شرحبیل انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مشی مع ظالم یعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام۔

اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لئے نکلا۔ درآنحالیکہ وہ اس بات سے واقف ہے کہ یہ شخص ظالم ہے، وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔"

یہ سخت وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے بھائی کے ظلم میں اس کی مدد کسی جاہلی حمیت کے تحت کرتے ہیں۔ جاہلی حمیت اگرچہ اسلامی نقطۂ نظر سے ایک شیطانی محرک ہے تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ محرک ان محرکات سے کہیں افضل ہے جن میں صرف ذاتی اغراض اور ذاتی منافع کارفرما ہوتے ہیں پھر جب اس نسبتاً اشرف محرک کے تحت ظلم کی حمایت کرنیوالوں کا یہ انجام ہوگا تو اسی سے ان لوگوں کے

[۵۱] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۲۲۵۔

انجام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو محض روپے اور اغراض کی خاطر ہر حق و باطل کی حمایت کو اپنا "پیشہ" بنا لیتے ہیں اور اس پیشہ میں زندگیاں گزار دیتے ہیں۔

**رشوت سے احتراز** | انسان کے اندر جب سے اجتماعی زندگی کا شعور بیدار ہوا ہے اور اس نے یہ سمجھنا شروع کیا ہے کہ کیا چیزیں اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنے والی ہیں، اس وقت سے اس نے برابر رشوت کو ایک دشمنِ اجتماعیت بیماری کی حیثیت سے نہایت نفرت کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ ہر نظامِ اجتماعی کا انحصار ہے اس بات پر کہ اس کے اندر ایسے اہلِ بصیرت اور اہلِ بصارت موجود ہوں اور برابر موجود رہیں جو ان رخنوں کو بند کرتے ہیں جو "اجتماعیت دشمن" عناصر کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ رشوت اس بصیرت اور بصارت کو برباد کرنے والی دنیا میں ایک ہی چیز ہے۔ اس وجہ سے اگر کسی نظام کے اندر اس کا رواج زور پکڑ جائے تو اس کے اندر اول تو اہل بصیرت کا پیدا ہونا ہی مشکل ہے اور اگر اتفاق سے پیدا ہو جائے تو اس رشوت کے سرمہ کے ذریعہ سے ان کو بڑی آسانی سے اندھا کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سوسائٹی کے اندر رشوت کا لین دین عام ہو آہستہ آہستہ اس کی باگ اندھے راہ دکھانے والوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اور جو نظام صرف اندھوں کی راہنمائی میں چل رہا ہو اس کا انجام معلوم! رشوت کی اس ہلاکت انگیزی کی وجہ سے اسلام نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں کو اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنۃ اللہ علی الراشی والمرتشی فی الحکم (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عدل کے بارہ میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔"

ایک اور حدیث میں رشوت دینے والے، رشوت لینے والے کے ساتھ ساتھ رشوت کا معاملہ کرانے والے دلال کو بھی اس جرم اور اس کی سزا میں برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت نظامِ اجتماعی کو درہم برہم کرنے والی اس سازش کا ایک بڑا اہم عامل وہ بھی ہوتا ہے۔

عن ثوبان قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی و

ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے، اور رشوت دلانے

| | |
|---|---|
| الرائشی یعنی الذی یمشی بینہما (رواہ احمد) | دلالے یعنی اس شخص پر جو بیچ میں دلالی کرتا ہے لعنت کی ہے |

**ہدیے اور تحفے قبول کرنے سے احتراز** اجتماعی زندگی کو خوشگوار اور باہمی تعلقات کو زندہ رکھنے کے لئے مسلمانوں کو اس بات کی بڑی تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے عزیزوں اور پڑوسیوں کو ہدیے اور تحفے بھیجیں اور ان کی طرف سے جو چیز آئے اس کو قبول کریں لیکن عام مسلمانوں کو اس کی جتنی ہی ترغیب دی گئی ہے سرکاری حکام کو اسی شدت کے ساتھ ہدیے اور تحفے قبول کرنے سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ چیز رشوت پیش کرنے اور رشوت قبول کرنے کے لئے ایک "چور دروازہ" کا کام دے سکتی ہے۔

| | |
|---|---|
| عن ابی حمید الساعدی قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھدایا العمال غلول (احمد) | ابو حمید الساعدی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمال کا ہدیہ قبول کرنا خیانت ہے۔ |

ایک دوسری روایت میں ہے :-

| | |
|---|---|
| "قال من استعملنا ہ علی عمل فرزقنا ہ رزقا فما اخذ بعد ذلک فھو غلول" (ابو داؤد) | ابو حمید ساعدی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمال کا ہدیہ قبول کرنا خیانت ہے۔ |

بخاری، مسلم اور ابو داؤد تینوں میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد پر ایک صاحب کو تحصیلدار مقرر کیا، جن کا نام ابو اللتبیہ تھا۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آئے تو انہوں نے حساب دیتے ہوئے کہا، یہ بیت المال کا حصہ ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ کے ملا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جو انتظام میرے سپرد فرمایا ہے اس میں تم میں سے بعض لوگوں کو میں جب کسی خدمت پر مقرر کرتا ہوں اور وہ اس سے فارغ ہو کر واپس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تمہارا (بیت المال کا) حصہ ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ اگر وہ اس بات میں سچے ہیں تو اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھے رہے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے پاس ہدیے آجاتے!

بین الاقوامی تعلقات و روابط کو مستحکم کرنے کے لئے اسلامی حکومت کے امیر کو تحائف کے تبادلہ کی

اجازت دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سلاطین آپکی خدمت میں ہدیے بھیجتے تھے اور آپ ان کو قبول بھی فرماتے تھے لیکن معمول یہ تھا کہ آپ ان چیزوں کو صحابہ (لوگوں) میں تقسیم فرما دیتے تھے جس طرح مال غنیمت میں سے صفی لینے کا دستور تھا اسی طرح اگر آنحضرتؐ کو کوئی چیز پسند آجاتی تو اس میں سے لے لیتے ورنہ ساری کی ساری صحابہ میں تقسیم فرمادیتے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ کے پاس دیبا کی قبائیں آئیں جن پر سونے کا کام تھا۔ آپ نے صحابہ میں تقسیم فرمادیں اور ایک ان میں سے مخرمہ بن نوفل کے لئے الگ کر لی۔ مخرمہ اپنے بیٹے مسور کے ساتھ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر دروازہ پر ان کی آواز سنی تو خوش ہوکر خیر مقدم کیا۔ ان کو اندر بلایا اور فرمایا۔ ابوالمسور میں نے یہ تمہارے لئے چھپا رکھی تھی۔ اسی طرح مقوقس نے ماریہ اور سیرین کو آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ نے ان میں سے سیرین کو حضرت حسّان کو ہبہ کردیا۔ مقوقس نے ایک گدھا اور خچر بھی آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ نجاشی نے بھی آپکی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ آپ نے اس کے ہدیہ کو قبول بھی فرمایا اور خود بھی اس کے پاس ہدیہ بھیجا۔ فروہ بن نفاثہ جذامی نے آپکی خدمت میں ایک سفید خچر بھیجا جس پر آپ حنین کے دن سوار ہوئے۔ بخاری میں ہے کہ ایلہ کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں ایک سفید خچر بھیجا اور آپ نے اس کو ایک چادر بھیجی۔ غرض ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے بادشاہوں کے ہدیے قبول بھی فرمائے اور ان کو ہدیے بھیجے بھی ہیں۔ البتہ اس امر میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ مسلمانوں کے امیر کے پاس اس قسم کے جو ہدیے آئیں گے وہ کس کی ملک ہوں گے، امیر کی ذاتی ملک ہوں گے یا عام مسلمانوں کی؟ عام اور مشہور مذہب یہی ہے کہ اس قسم کی ساری چیزیں بیت المال کی ملک قرار پائیں گی۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں مسلمانوں کی ملک ہونگی اور امیر اسلام ان کا معاوضہ بیت المال سے دیگا۔ امام احمد اور انکے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے امیر یا ان کے سپہ سالار کو جو ہدیے وغیرہ پیش کریں گے انکی حیثیت مال غنیمت کی سی ہوگی اور اس پر مال غنیمت ہی کے احکام جاری ہوں گے[۱]۔

---

[۱] - زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۲۹۶۔